دارالعلوم منظر اسلام کے پہلا طالبعلم

ملک العلماء علامہ ظفرالدین بہاری

اوران کی نہایت وقیع علمی کاوش

جامع الرضوی المعروف صحیح البہاری

کا تعارف

تعارف کتاب ومصنف:

مصنف کے فرزند ارجمند فاضل شہیر ادیب لبیب پروفیسر مختار الدین احمد آرزو نے صحیح بہاری کے دوسری ایڈیشن کی اشاعت کے موقع پر یکم رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ بمطابق ۷ مارچ ۱۹۹۲ء میں مصنف اور کتاب کا تعارف قلم بند فرمایا۔ پروفیسر صاحب کا یہ تعارفی مقالہ جو ۳۴ صفحات پر مشتمل ہے اور جو دوسرے ایڈیشن میں کتاب کی ابتداء میں شامل اشاعت ہے، مستند اور جامع بھی ہے اگر چہ وہ تحریراً مختصر ہے مگر دلالۃً مبسوط ہے جس کے متعلق انہوں نے خود فرمایا:

" یہ چند صفحات مصنف علام ملک العلماء فاضل بہار پر جن میں صرف ان کی زندگی اور تصانیف پر گفتگو کی گئی ہے۔ ارتجالاً لکھ دیئے گئے ۔ یہ اوراق ان شاء اللہ ایک مکمل سوانح عمری کے لیے، جس کی ترتیب واشاعت کی ضرورت ہے،

پیش خیمہ ثابت ہوں گے۔" (مختار الدین احمد)

پروفیسر آرزو صاحب مدظلہ کے بیان سے ماخوذ مولف اور تالیف کے متعلق معلومات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

نام مصنف: (علامہ مولوی) ظفرالدین

کنیت: ابوالمختار

لقب: ملک العلماء، بہاری، قادری، رضوی

ولدیت: عبدالرزاق اشرفی

ولادت: ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ

وصال: ۱۱ جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ

مشہور اساتذہ:

امام احمد رضا بریلوی، مولانا وصی احمد سواتی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا بشیر احمد علی گڑھی، مولانا حامد حسین رامپوری، مولانا کبیرالدین، مولانا ابراہیم، مولانا عبداللطیف، مولانا محی الدین اشرف، مولانا بدرالدین اشرف، مولانا مہدی حسن، قاضی عبدالرزاق، مولانا فخرالدین، مولانا منعم، مولانا اکرام الحق، مولانا معین اظہر، مولانا عبداللہ کانپوری۔

مدارس جہاں تعلیم حاصل کی:

گھر...... مدرسہ غوثیہ حنفیہ بین پٹنہ...... مدرسہ حنفیہ...... دارالعلوم کانپور...... امدادالعلوم کانپور...... احسن المدارس، کانپور...... دارالحدیث پیلی بھیت...... مصباح التہذیب بانس بریلی...... منظر اسلام بریلی شریف

مدارس جہاں تدریس فرمائی:

منظر اسلام بریلی شریف...... دارالعلوم جامع مسجد شملہ...... مدرسہ حنفیہ آراء ضلع

شاہ آباد...... شمس الہدیٰ پٹنہ...... جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کٹہار ضلع پودینہ...... مدرسہ ظفر منزل پٹنہ...... جبکہ جامعہ نعمانیہ لاہور کے لیے تقرری ہوئی مگر بریلی شریف سے شملہ کے لیے اچانک منتقل ہونا پڑا۔

جن مدارس کے قیام میں سعی فرمائی:

اعلیٰ حضرت کے ہاں حاضری کے بعد دارالعلوم منظر اسلام بریلی کے قیام کے لیے مولانا حامد رضا خان، مولانا حسن رضا خان کے اشتراک سے اعلیٰ حضرت سے منظوری لی اور خود اور ایک ساتھی سید عبداللہ عظیم آبادی سمیت پہلے طالبعلم بنے۔

جامع مسجد شملہ میں مدرسہ قائم فرما کر تدریس کی زندگی کے آخری دور میں جامعہ لطیفیہ کٹہار میں دو سال تدریس کے بعد اور کچھ پہلے اپنے گھر پٹنہ میں ظفر منزل کو مدرسہ کی صورت دی۔

بعض شریک درس حضرات:

مولانا عبدالرشید عظیم آبادی...... مولانا غلام مصطفےٰ...... مولانا ابراہیم روگانوی ...... سید غلام محمد بہاری...... سید عبدالرحمٰن بیتھوی...... مولانا محمد اسماعیل بہاری...... اور مولانا نذیر الحق رمضان پوری وغیرہم

چند مشہور اساتذہ:

مولانا احسن الہدیٰ...... مولانا قمر الہدیٰ...... مولانا سید فرید الحق...... مولانا سید عاشق حسین فاضل شمسی...... مولانا عمیم الدین...... مولانا ظہوری نعیمی...... مولانا حافظ عبدالرؤف صدر مدرس بریلی...... مولانا نظام الدین بلیاوی...... مولانا محمد یحیٰ بلیاوی

چند مشہور معاصرین:

مولانا حامد رضا خان...... مولانا حسن رضا خان...... مولانا مصطفیٰ رضا خان...... مولانا محدث کچھوچھوی...... مولانا نعیم الدین مرادآبادی...... مولانا امجد علی صدرالشریعہ...... مولانا عبدالسلام جبلپوری...... مولانا احمد اشرف...... مولانا دیدار علی...... مولانا احمد مختار...... مولانا عبدالعلیم میرٹھی...... مولانا رحیم بخش...... مولانا لعل خان...... مولانا عبدالاحد...... مولانا برہان الحق...... مولانا عبدالباقی...... مولانا شفیع احمد...... مولانا حسنین رضا خان۔

تصانیف:

شرح کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ	۱۳۲۴ھ
خیر السلوک فی نسب الملوک	۱۳۳۳ھ
بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام	۱۳۳۵ھ
مؤذن الاوقات	۱۳۳۵ھ
تنویر السراج فی ذکر المعراج	۱۳۵۳ھ
نافع البشر فی فتاوی ظفر	۱۳۶۹ھ
حیات اعلیٰ حضرت	۱۳۲۷ھ
المجمل المعدد لتالیف المجدد	۱۳۳۰ھ
الیواقیت والجواھر فی علوم التوقیت	۱۳۳۰ھ
جواھر البیان	۱۳۳۳ھ
عافیہ (صرف)	۱۳۳۵ھ
چودھویں صدی کے مجدد	۱۳۶۷ھ
الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری	۱۳۴۵ھ

اجمالی تعارف کے بعد مناسب تھا کہ مؤلف علیہ الرحمۃ کے متعلق کچھ تفصیلی تعارف قارئین کی نذر کیا جاتا لیکن پروفیسر آرزو صاحب نے اپنے تعارفی مقالہ میں مصنف علیہ الرحمۃ کے متعلق شخصی اور نجی معلومات، دین وملت کے لیے ان کے پرخلوص جذبات، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں مجاہدانہ مصروفیات، علوم وفنون کی کثرت وبہتات، تدریس وتالیف میں کثیر باقیات، زہد وتقویٰ پر دال قابل اعتبار واقعات اور ان کو آغوشِ تربیت میں رکھنے والی شخصیات کو جامع انداز میں بیان کر دیا ہے۔ اگرچہ مصنف علیہ الرحمۃ کی ظاہری اور باطنی عظمت کے اظہار میں پروفیسر صاحب کا اتنا ذکر کر دینا کافی تھا۔

"جس ذاتِ گرامی سے انہوں نے سب سے زیادہ علمی فیوض حاصل کیے وہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کی صحبت بابرکت میں برسہابرس رہے۔"

یا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا خلیفہ تاج لاہور کے نام ایک مکتوب کو بیان کر دینا ہی مصنف علیہ الرحمۃ کی ثقاہت کا جامع بیان تھا۔

"مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین قادری فقیر کے ہاں اعز طلباء میں سے ہیں اور میرے بجان عزیز، ابتدائی کتاب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معاون ہیں۔ میں اتنا ضرور کہوں کہ سنی خالص مخلص، صحیح العقیدہ ہادی مہدی، عام درسیات میں عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ کر سکتے ہیں، علماءِ زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ۔"

اور پھر اعلیٰ حضرت نے مصنف کے نام اپنے ایک مکتوب میں یوں فرمایا:

"آپ کے پاس بعونہٖ تعالیٰ علم نافع ہے۔ ثبات علی السنہ ہے اب کون زائد ہے کسی پر نعمت بیشتر ہے آپ کو دین سے اور دین کو آپ سے نصر۔"

اور کبھی یوں اظہار تعلق فرمایا:

حبیبی والذی قرۃ عینی .

اور کبھی یوں خطاب فرمایا:

"ولدی الاعزہ، حامی سنت، ماحی فتن، جان پدر بلکہ از جان بہتر۔"

کلام الامام کے اس امام الکلام نے مصنف علیہ الرحمۃ والرضوان کے متعلق ہمہ پہلو با کمال بلکہ انتہائی با کمال اور جامع بے مثال ہونے کی شہادت دے دی تو امام اہلسنت مجدد ملت، رہبر شریعت و طریقت مخزنِ علوم و حکمت، مظہر عجائبات قدرت کی اس جامع توصیف کے بعد کسی دوسرے کی کیا ہمت ہے کہ وہ مولف کی توصیف و تعریف کا دعویٰ کرے ہاں" اما بنعمت ربک فحدث " کے تحت اس نعمت الٰہی کی مدح ہر ممنون پر لازم ہے کہ یہ شکرِ الٰہی ہے۔ نفس نعمت کا ذکر اور اس کی مدح بھی منعم کا شکر ہے۔

تعارف کتاب:

علامہ پروفیسر آرزو صاحب نے اپنے مقالہ میں تعارف کتاب مختصراً مگر جامع انداز میں بیان فرمایا۔ لہٰذا راقم الحروف پروفیسر صاحب کے بیان کی روشنی میں کتاب سے متعلق کچھ وضاحتی معروضات پیش کرے گا۔

پروفیسر صاحب نے فرمایا: اس کتاب کا نام "الجامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری" رکھا۔ اس پر حاشیہ میں پروفیسر صاحب نے فرمایا۔ جلد اوّل کتاب العقائد کے اس نسخے پر جو بخط مصنف ہے۔ جلی قلم سے نام "سنن الرضوی" لکھا ہے۔ ناموں کی تطبیق بیان کرتے ہوئے پروفیسر صاحب نے اسی حاشیہ میں فرمایا، ممکن ہے پہلے یہی نام رکھا ہو لیکن جب کام زیادہ پھیلا ہو تو سنن پر جامع کو ترجیح دے کر مولف رحمۃ اللہ علیہ نے "الجامع الرضوی" رکھ دیا ہو۔

پروفیسر صاحب کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب کا نام پہلے سنن الرضوی

تھا پھر پھیلاؤ کی وجہ سے الجامع الرضوی کو ترجیح دی گئی۔ جبکہ معروف نام " صحیح البہاری" رہا۔

اصطلاح محدثین میں فقہی ابواب واحکام پر مرتب احادیث کے مجموعے کو "سنن اور مخصوص آٹھ ابواب جن میں آداب، تفسیر، فتن، اشراط اور مناقب شامل ہیں کے تحت مجموعۂ احادیث کو" جامع" کہتے ہیں، اگر محدثین کی اصطلاح کا ذکر کیا جائے تو" سنن الرضوی" بترکیب اضافی کتاب کا نام درست ہے۔ کیونکہ پروفیسر صاحب نے اپنے تعارفی مقالہ میں اور خود مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے مقدمہ میں جو مشمولاتِ کتاب ذکر فرمائے ان کے مطابق اصطلاحی نام سنن ہی مناسب ہے۔ ان مشمولات میں سے "الجامع" کے آٹھ ابواب میں سے کم از کم چار ابواب تفسیر، فتن، اشراط اور مناقب کا ذکر نہیں ہے لہٰذا اصطلاحی طور پر کتاب کا نام " الجامع الرضوی یا جامع الرضوی" ترکیب توصیفی یا اضافی کسی طرح درست نہیں ہے۔ جبکہ پروفیسر صاحب نے اپنے تعارفی مقالہ میں ایک جگہ بترکیب اضافی جامع الرضوی لکھا اور جہاں کتاب کا مستقل تعارف دیا وہاں اور اسی کے حاشیہ پر بترکیب توصیفی الجامع الرضوی فرمایا۔ حالانکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں جلد ثانی کے مطبوعہ حصص کے ٹائٹل پر بھی جلی قلم میں بترکیب اضافی "جامع الرضوی" لکھا ہے۔

میری نظر میں اس کتاب کا نام "جامع الرضوی" دو طرح سے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایک یوں کہ جامع اصطلاحی مراد لیا جائے اور توجیہ یہ پیش کی جائے کہ مذکورہ مشمولات کو مصنف علیہ الرحمۃ نے ابتدائی خاکہ کے طور پر ذکر فرمایا جبکہ جامع کے بقیہ ابواب کا اضافہ بھی مقصود ومطلوب تھا۔ دوسری توجیہ جو کہ ظاہر ہے مصنف علیہ الرحمۃ نے اس کتاب کے نام میں "جامع" کو اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں فرمایا بلکہ لغوی معنی سے "جامع" کو مضاف قرار دیا۔ یعنی رضوی کا مرتب کردہ مجموعہ احادیث۔ اس لغوی معنی کے

اعتبار سے ترکیب توصیفی بھی درست ہو جاتی ہے۔ کیونکہ لامشاحۃ فی الاصطلاح لیکن بترکیب اضافی "جامع الرضوی" بالکل درست ہے جیسا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے خود مقدمہ میں ذکر کیا اور فرمایا:

ھذا مجلد ثان من المجلدات الست لجامع الرضوی المعروف بصحیح البخاری.

اور مطبوعہ کتاب کے ٹائیٹل پر بھی جلی عنوان "جامع الرضوی" منظور فرمایا۔اس کی تائید مزید یہ ہے کہ معروف نام بھی صحیح البہاری بترکیب اضافی مقدمہ میں ثبت فرمایا۔لہٰذا پروفیسر صاحب کے مقالہ میں جہاں بترکیب توصیفی "الجامع الرضوی" لکھا گیا وہ تصرف ناسخ معلوم ہوتا ہے۔

معروف نام:

صحیح البہاری، مصنف نے مقدمہ میں اور پروفیسر صاحب نے بھی ہر جگہ، یہ نام بترکیب اضافی ذکر فرمایا ہے۔لہٰذا یہ متعین ہے اور قرین قیاس بھی ہے۔ کیونکہ محدثین کی اصطلاح میں "صحیح" حدیث کے اس مجموعہ کو کہا جاتا ہے جس میں مصنف نے صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام کیا ہو جبکہ ہر مصنف کی شرائطِ صحت مختلف ہیں لہٰذا کسی کتاب کے "صحیح" ہونے کا معیار مصنف خود متعین کرتا ہے۔اس لیے کتاب کو "صحیح" سے معنون کرنا ہر محدث کی اپنی اصطلاح پر موقوف ہے۔

حضرت فاضل بہار محدث رضوی نے "صحیح" کے متعلق اصطلاح کو یوں بیان فرمایا:

" ان احادیث الکتاب اما صحاح او حسان لما صرح العلماء ان الحدیث المروی من طرق ضعیفة لیصل الی درجة الحسن کما سیاتی فلما وصل الحدیث الضعیف بکثرت الطرق الی درجة

الحسن لم یبق ضعیف اصلا و لذا لم ال جهدا فی تکثیر طرق الاحادیث ما ستطعت لیرتقی الضعیف الی درجة الحسن والحسن الی الصحیح ."(مقدمة الکتاب ، الفائدة الاولٰی)

یعنی اس کتاب کی احادیث صحیح یا حسن ہیں کیونکہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ ضعیف حدیث، جب متعدد طرق ضعیفہ سے مروی ہوتو وہ درجہ حسن تک جا پہنچتی ہے۔ جب ضعیف کے طرق متعدد ہو جائیں تو پھر وہ ضعیف نہیں رہتی۔ اس لیے میں نے پوری کوشش سے ہر حدیث کے کثیر طرق جمع کیے ہیں تا کہ حدیث ضعف سے حسن اور حسن سے درجہ صحیح تک پہنچ جائے۔ لہٰذا صحیح البہاری میں " صحیح "منسوب الی المصنف ہےتو ترکیب اضافی یہ عنوان، اصطلاحی طور پر بھی درست ہے ویسے بھی معروف کتب صحاح کی طرح مصنف علیہ الرحمۃ کو بھی تغلیب کا حق ہے جس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا اس کتاب کو جو حقیقتاً زمرہ سنن میں ہے کہ جامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری سے معنون کرنا برحق ہے اور مصنف کا ابتداءِ مقدمہ میں **ھذا مجلد ثان من المجلدات الصحاح الست** فرمانا بھی صحیح اور درست ہے کہ المجلد ات کو الصحاح اور الست، دوصفات سے موصوف فرمایا کیونکہ صحیح البہاری کی چھ مجلدات ہیں تو ظاہر ہے مجلدات بھی صحاح ہیں۔

پروفیسر علامہ آرزو صاحب نے فرمایا:

" ملک العلماء نے اس کتاب کی جمع وتبویب میں عمر کا خاصہ حصہ صرف فرمایا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فقہ حنفی کی تائید میں یہ کتاب مرتب فرما رہے تھے، چونکہ فقہ جزئیات کے احکام سے بحث کرتی ہے خصوصاً فقہ حنفی جس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جزئیات کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر بناتی ہےتو اس کی موافقت میں احادیث کی تخریج کا دائرہ بھی وسیع کرنا ضروری تھا۔ جس کے لیے مصنف علیہ الرحمۃ کو ممکن الحصول

کتب احادیث کی تلاش، حصول اور پھر ان کی ورق گردانی کرنا پڑی۔ پھر وہ دور بھی ایسا کہ ماسوائے چند۔ کتب حدیث مطبوعہ نہ تھیں تو قلمی نسخوں کے لیے سفر بھی ضرور کرنا ہوا اس سلسلہ میں مصنف علیہ الرحمۃ کی محنت اور کاوش کا اندازہ صحیح البہاری کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ کتاب میں ایک ایک مسئلہ پر جمع کردہ ذخیرہ احادیث کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ اتنا بڑا ذخیرہ مصنف کو کہاں سے اور کیسے میسر ہوا۔

مثلاً ایک مسواک کے مسئلہ میں ۱۲ فصلیں اور ہر فصل میں کثیر احادیث جو ۲۵ سطری صفحات میں پھیلی ہیں جن کی تعداد ایک سو کے قریب ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اس کتاب کی جمع وتبویب میں عمر کا کتنا حصہ صرف کیا ہوگا۔ حالانکہ انہوں نے تمام عمر تدریس، تبلیغ اور افتاء میں بسر فرمائی اور مزید یہ کہ صحیح البہاری کے علاوہ مختلف فنون میں ستر (۷۰) کتب بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ اس سے ان کے قلم اور عمل کی سرعت کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پروفیسر صاحب نے مقالہ میں فرمایا:

"اسے چھ جلدوں میں مکمل کرنے کا منصوبہ بنایا۔"

اس منصوبہ کی تفصیل کو مصنف علیہ الرحمۃ نے خود اپنے مقدمہ میں ذکر فرمایا ہے جس کی تلخیص پروفیسر صاحب نے فرمائی ہے۔ لہٰذا اس خاکہ کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے مصنف علیہ الرحمۃ کے مقدمہ کو دیکھا جائے جس میں عقائد سمیت طہارت سے لے کر فرائض تک فقہ کے تمام ابواب کو چھ جلدوں میں تقسیم کرتے ہوئے ہر جلد کے متمولات کو بیان کیا گیا ہے۔

اگر اس سنن صحیح البہاری کی تالیف مکمل ہو جاتی اور مطبوعہ جلد ثانی کے انداز پر ہر باب کی فقہی جزئیات کی مؤید احادیث کا ذخیرہ یکجا جمع ہو جاتا تو نہ صرف فقہ حنفی کی احادیث کے ساتھ مکمل مطابقت عیاں ہو جاتی بلکہ حدیث کے میدان میں بھی احناف کا دیگر محدثین

پر تفوق واضح ہو جاتا نیز فقہ کو حدیث کے مقابل اور جدا سمجھنے والوں کی جہالت نمایاں ہو جاتی اور نافہم لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ کی طرح حدیث میں بھی امامِ اعظم ہیں۔

صحیح البہاری کی تقسیم کے متعلق پروفیسر صاحب مدظلہٗ کی بیان کردہ تلخیص کا ملخص یہ ہے کہ کتاب العقائد تا کتاب الفرائض تمام ابواب کو چھ جلدوں پر تقسیم کر کے ہر جلد ایک ہزار صفحات پر مرتب کرنے کا پروگرام تھا لیکن اس پروگرام پر عمل کی مکمل تفصیل کے بیان سے اعراض فرمایا۔ عملی کام کے متعلق صرف اتنا بیان کیا کہ جلد اوّل کتاب العقائد میں اختلافی مسائل تھے اس لیے اسے پہلے نہ شائع کر کے دوسری اور تیسری جلد جو طہارۃ، نماز، زکوٰۃ اور حج پر مشتمل تھی، شائع کرنے کا منصوبہ فاضل مولف نے بنایا۔ اس لیے کہ عام مسلمانوں کو ان مسائل کی واقفیت کی زیادہ ضرورت ہے۔ اشاعتی منصوبے میں دوسری اور تیسری دونوں جلدوں کا ذکر ہے۔ لیکن اشاعتی عمل میں صرف جلد ثانی کی اشاعتی تفصیلات کو بیان فرمایا۔ یہاں تیسری جلد کی اشاعت کا بیان چھوڑ دیا۔ اشاعت کے منصوبے میں تیسری جلد کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری جلد کا کم از کم مسودہ ضرور موجود تھا۔ جبکہ یہاں حاشیہ میں صرف پہلی جلد کے مسوّدے کا ذکر کیا کہ "میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔" لیکن تیسری جلد کے مسوّدے کا ذکر نہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ جلدوں کی طرح تیسری جلد کا مسودہ بھی موجود نہ ہے اگر ہوتا تو ضرور ذکر فرماتے۔ حالانکہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ میں جس طرح چھ جلدوں اور ان کے مشمولات کو تفصیل سے بیان فرمایا۔ اس سے تمام جلدوں کے مسودات کے وجود کا اندازہ ہوتا ہے لیکن

مقدمہ کی عبارت میں یہ بھی ہے:

هذا مجلد ثان من المجلدات الصحاح الست لجامع الرضوی المعروف به صحیح البهاری الذی اردت جمعه و ترتیبه الخ.

جس سے ایک احتمال یہ ابھرتا ہے کہ ہذا کا مشار الیہ ذھنی ترتیب ہے اور کسی جلد کا مسودہ تیار نہیں جیسا کہ اردت کا لفظ دال ہے بعد میں جلد ثانی مرتب کر کے شائع کی گئی جبکہ مقدمہ مرتب ہو چکا تھا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہذا کا مشار الیہ جلد ثانی کا مسودہ ہے اور "اردت" کا تعلق بقیہ مجلدات سے ہے یعنی جلد ثانی کے لیے یہ مقدمہ الحاقی ہو بقیہ جلدوں کے لیے غیر الحاقی ہو جبکہ دوسرا احتمال ظاہر ہے پروفیسر صاحب کی مسودات سے خاموشی بھی اس کی تائید کر رہی ہے۔ اس صورت میں مصنف علیہ الرحمۃ کے چھ جلدوں اور ان کے مشمولات کے تفصیلی بیان کو ذھنی خاکہ پر محمول کیا جائے گا۔ تاہم پروفیسر صاحب مدظلہ کا تیسری جلد کو اشاعتی منصوبہ میں ذکر کرنا قابل فہم ہے۔ پروفیسر صاحب مدظلہ نے پہلی جلد کتاب العقائد کے متعلق جو ذکر فرمایا کہ وہ اختلافی مسائل پر مشتمل ہے، درست ہے اور اس سے پہلے دوسری جلد کی اشاعت کی بیان کردہ وجہ بھی درست ہے لیکن پہلی جلد کو سرے سے اشاعتی منصوبہ میں ذکر نہ کرنے کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ کم از کم دوسری جلد کے ساتھ تیسری جلد کی طرح پہلی جلد کو بھی اشاعتی منصوبہ میں ذکر تو کیا ہوتا جبکہ اس کا مسوّدہ تیار تھا۔ جیسا کہ پروفیسر صاحب نے حاشیہ میں ذکر فرمایا کہ "جلد اول کا مسودہ بخط مولف رحمہ اللہ راقم کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔" صفحات ۲۶۱ سطور فی صفحہ ۱۲۱ میں ۶۰۰ ابواب ہیں اور احادیث کی تعداد کا تخمینہ تین ہزار کے قریب ہے اس کی ابتداء ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۱ھ کو ہوئی تو تیسری جلد جس کا مسوّدہ معلوم نہیں کو اشاعتی منصوبہ میں ذکر کرنا اور جلد اوّل جس کا مسودہ بالکل تیار اور محفوظ ہے کو ذکر نہ کرنا قابل غور ہے۔

جہاں تک راقم الحروف کی فہم رسائی ہے اس کے مطابق دوسری جلد کی اشاعت کے مقابلہ میں پہلی جلد کی اشاعت عام مسلمانوں کے لیے زیادہ اہم تھی کیونکہ عقائد کا معاملہ ہر مسلمان کے لیے مقدم اور ضروری ہے۔ خصوصاً دیوبندیت، وہابیت کے فتنہ کے دور میں جس کے خلاف مصنف اور ان کے شیوخ رحمہم اللہ تعالیٰ مصروف جہاد تھے۔ لہٰذا جلد اوّل کا

مسودہ مکمل ہونے کی صورت میں دوسری جلد کی اشاعت کو مقدم اور ضروری سمجھنا نا قابل فہم ہے پھر عقائد کو اتنا غیر اہم قرار دینا کہ اشاعت کے منصوبہ سے ہی خارج رکھا جائے۔ یہ کم از کم مصنف علیہ الرحمۃ کے مشن کے خلاف ضرور ہے لہٰذا جلدِ اوّل کتاب العقائد کو اشاعت میں موخر کرنے کی کوئی معقول وجہ ضرور ہے اور وہ میری نظر میں یہ ہے کہ جلد اوّل کا مسودہ دراصل ابھی مکمل تیار نہ تھا۔ مسودہ کہ جس حصے کا ذکر فرمایا وہ بے شک محفوظ ہے لیکن مکمل نہیں اس کی ایک دلیل جو بالکل واضح ہے کہ مسودہ کے ابواب کی فہرست سے پہلے ابتدائی صفحہ کی پیشانی پر ایک طرف بخط مصنف علیہ الرحمہ تحریر ہے۔

" فهرس ما يقال له صحيح البهاری بحسب الكتب والرسائل الرضويه "

پھر اس عنوان کے تحت اعلیٰ حضرت کی کتب اور رسائل کو ذکر کرتے ہوئے پہلی سطر میں سبحان السبوح از صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۴، اسی طرح پورے صفحہ پر کتب و رسائل کو نمبر وار ذکر کر کے فہرست تیار کی گئی ہے اور اس فہرست کی آخری کتاب تجلی المشکوٰۃ کو نمبر ۶۲ دے کر از صفحہ ۲۶۰ تا ۲۶۱ لکھا ہے۔

اس صفحہ کے آخر میں ختم شد، خاتمہ کے الفاظ بھی تحریر شدہ ہیں جب ابواب کی فہرست اور کتاب کو دیکھا صفحہ ۱ تا ۱۴ سبحان السبوح میں ذکر کردہ احادیث کو ابواب کے تحت ذکر کیا گیا ہے جس کا مطلب جیسا کہ عنوان سے عیاں ہے کہ اعلیٰ حضرت کی کتب و رسائل میں ذکر کردہ احادیث متعلقہ عقائد کو جلد اوّل میں قائم کردہ مناسب ابواب کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس فہرست میں اعلیٰ حضرت کی جن کتب کو درج کیا گیا ان کی کل تعداد ۶۲ ہے جبکہ ابھی سینکڑوں ایسی کتب باقی ہیں جن میں اعلیٰ حضرت نے احادیث متعلقہ عقائد ذکر فرمائی ہیں دیگر مسائل و کتب کا ذکر چھوڑیئے اس فہرست میں فتاویٰ رضویہ کی جلد اوّل و دوم کے سوا بقیہ جلدوں کا ذکر نہیں۔ حالانکہ فتاوٰی کی چھٹی جلد عقائد و کلام سے متعلق ہے

جس کا ذکر یہاں ضرور ہونا چاہیے تھا تو معلوم ہوا کہ ابھی مصنف علیہ الرحمۃ کی نظر میں اس جلد کا کام باقی تھا۔ باقی رہا یہ سوال اس مذکورہ صفحہ کے آخر میں ختم شدہ، خاتمہ کے الفاظ ہیں تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جلد ثانی کی طرح جلد اوّل کے بھی کئی حصص پیش نظر ہوں تو جلد اوّل کے حصہ اول کا خاتمہ ختم شد، ہو اور مسودہ کے نامکمل ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ متعدد صفحات میں متعدد جگہ حدیث نامکمل درج ہے، متن مکمل نہیں یا ابتداء میں راوی صحابی کا ذکر یا آخر میں منقول عنہ کتاب حدیث کا ذکر نہیں ایسے تمام مقامات میں بیاض ہیں جس کا مطلب واضح ہے کہ ابھی مصنف علیہ الرحمۃ کا ان بیاضات کو پر کرنا باقی تھا اور تیسری دلیل یہ ہے کہ ابواب کی فہرست کو کتب ورسائل کی مرتبہ فہرست کے مطابق مرتب کیا گیا ہے کہ جس کتاب میں عقائد سے متعلق جو حدیث ملی اس کے مناسب باب قائم کر دیا گیا ہے یعنی ابواب کی ترتیب میں مناسبت کا کام ابھی باقی تھا ورنہ ابواب کی موجودہ فہرست میں انتشار ہے جو کسی بھی سلیم الطبع کے ہاں قابل تہذیب ہے۔

....

ائمہ مجتہدین کا وجود اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت عظمیٰ ہے جنہوں نے مختلف جہات میں اسلام کی تدوین کے لیے کام کیا۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عظیم محدث اور آئمہ محدثین کے استاذ ہونے کے باوجود انہوں نے اجتہاد واستنباط کی راہ کو ترجیح دی جبکہ امام مالک، شافعی اور امام احمد اگرچہ مجتہد مطلق اور فقیہ ہیں۔ اس کے باوجود روایت حدیث کا پہلو ان پر غالب رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اسلاف اور محدثین میں شمار کیا اور اپنی فقہ کو فقہ الحدیث تک محدود رکھا اسی بناء پر ان آئمہ کے مقلدین اور تلامذہ آئمہ حدیث قرار پائے کہ انہوں نے اپنے مسلک کی موید احادیث کو مرتب فرما کر جوامع، سنن، معاجم اور مسانید کی صورت میں پیش کیا۔ خصوصاً شوافع حضرات نے اس میدان میں سبقت دکھائی ہے اور اپنی اس خدمت

کے پیش نظر انہوں نے یہ تاثر قائم فرمانے کی کوشش فرمائی کہ شافعی مسلک احادیث کے موافق ہے۔ حالانکہ انہوں نے کتب میں اپنی تمام مساعی ان احادیث کی تخریج پر صرف فرمائی ہے جو ان کی نظر میں اپنی فقہ کی مؤید تھیں اور احادیث کا وہ ذخیرہ جو حنفی مسلک کا موید تھا، اس کو انہوں نے نظر انداز فرمایا یا پھر غیر متعلقہ ابواب کے تحت ذکر کیا اور اگر ان میں سے بعض نے غیر جانبداری کا تکلف کیا تو صرف اتنا کہ ایسی روایات کو رکھا جن کو انہوں نے اپنی نظر میں اپنے لیے موید سمجھا مثلاً امام مسلم نے قرأۃ خلف الامام کے مسئلہ میں احناف کی مؤید احادیث کو ذکر نہیں فرمایا اور ایک روایت اذا قـرأ فـانـصـتـوا کو ذکر تو فرمایا لیکن غیر متعلق باب تشہد میں اور وہ بھی بحث کے دوران ایک سوال کے جواب میں ذکر کیا، امام ترمذی نے اس مسئلہ میں حنفی مسلک کی موید بعض روایات کو غیر متعلق باب میں لائے مگر زیر بحث ذکر فرمایا۔

غرضیکہ ان محدثین نے اپنی کتب میں شافعی مسلک کی موید روایات کو ہی درج فرمایا اور یہ ان کا حق تھا۔ لیکن اپنے اس عمل پر جو نتیجہ انہوں نے مرتب فرمایا وہ افسوسناک ہے کہ حنفی مسلک احادیث سے موید نہیں بلکہ امام ابوحنیفہ کی فقہ اپنی رائے پر مبنی ہے جو احادیث کے مخالف ہے۔ اس تاثر سے انہوں نے احناف کو صائب الرائے اور کبھی اہل الرائے اور کبھی بعض الناس وغیرہ نامناسب الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا اور یہاں تک کہ فقہاء میں امام ابوحنیفہ کا نام تک ذکر نہ فرمایا اور اگر شاذ و نادر ذکر کیا بھی تو رد اور طعن کرنے کے لیے ورنہ عام طور پر اہل کوفہ، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک کو ذکر کر کے حنفی مسلک کی طرف اشارہ کرتے ہیں جبکہ اکثر طور پر ان حضرات کی طرف منسوب قول حنفی مسلک نہیں ہوتا، میری نظر میں شافعی محدثین خصوصاً صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے امام ترمذی علوم حدیث اور فقہ الحدیث اور اختلاف مسالک کے جامع اور ماہر ہیں اور انہوں نے کسی حد تک ان فنون میں معتدل اور محقق ہونے کا مظاہرہ بھی کیا۔ انہوں نے ہر باب میں اختلاف

مسالک کو قول فلاں وفلاں کے ساتھ بیان کرنے کا التزام فرمایا ہے اور فقہ میں غیر معروف حضرات کے نام تک کو یہاں ذکر فرمایا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر کو انہوں نے غیر معروف تو کیا، شاذ کے مرتبہ میں بھی پسند نہ فرمایا اور صرف دو مقام پر دورانِ بحث امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا نام ذکر کیا، مولفین کتبِ حدیث کے اس انداز کو قابل افسوس تو کہا جا سکتا ہے لیکن اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کسی بھی کتاب کے مولف کو صوابدیدی اختیار ہوتا ہے اسی اختیار کی بنیاد پر کتاب اپنے مصنف کے مختار کو واضح کرتی ہے جہاں تک ائمہ حدیث کا اپنے مسلک کی موید روایات کے مقابلہ میں احناف کو اہل الرائے یا اصحاب الرائے یا اہل قیاس کہہ کر یہ تاثر دینا کہ احناف کی رائے اور قیاس احادیث کے مقابل و مخالف ہے تو یہ تاثر درج ذیل وجوہ کی بنا پر غلط ہے۔

۱۔ محدثین نے اپنی کتب میں تمام احادیث کو جمع کرنے کا التزام نہیں فرمایا بلکہ انہوں نے خود اعتراف فرمایا کہ ہمارے پاس محفوظ ذخیرہ میں سے کچھ قلیل حصہ ان کتب میں مرتب کیا گیا ہے چنانچہ امام بخاری نے چھ لاکھ میں سے صرف چار ہزار کے قریب، امام مسلم نے تین لاکھ میں سے آٹھ ہزار، امام احمد نے سات لاکھ یا دس لاکھ میں سے صرف تیس ہزار، امام شافعی نے لاکھوں میں سے چند ہزار، امام ترمذی نے لاکھوں میں سے کل تقریباً چار ہزار، امام ابوداؤد نے لاکھوں میں سے صرف پانچ ہزار، امام نسائی نے لاکھوں میں سے صرف چھ ہزار سنن نسائی میں ذکر کیں جبکہ ابن ماجہ میں صرف چار ہزار کے قریب ذکر کی گئیں تو باقی ماندہ لاکھوں احادیث کو ذکر نہ کرنے کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ وہ ان ائمہ کے مسلک کے موید نہیں ہیں تو ان کو جواباً کہا جا سکتا ہے کہ بقول آپ کے لازم آئے گا کہ آپ حضرات کا مسلک ان لاکھوں احادیث کے مخالف ہو۔

۲۔ کتب صحاح ستہ اور دیگر مشہور کتب مثلاً مسند احمد، مصنف ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، مسند دارمی وغیرہا میں سینکڑوں احادیث ہیں جو ان کے مسلک فقہی کے خلاف

ہیں بلکہ احناف کی موید ہیں اس صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ آپ حضرات کا مسلک ان احادیث کے خلاف ہے۔لہٰذا آپ بھی اہل الرائے ہیں اور احادیث کے مقابلہ میں قیاس پرعمل پیرا ہیں۔مثلاً وضو کے باب میں:

فلا تستقبلوا القبلة و لا تستدبروها ، يقبل بعض ازواجه ثم يصلی ولا يتوضا ، هل هو الا بضعة منک نماز کے باب میں **اسفروا بالفجر ، الامام ضامن، اذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا الا ان يكون وراء الامام فهي خراج، لم يرفع يديه الامرة واحدة مع تكبيرة الافتتاح، كانوا يفتحون الصلوٰة بالحمد.**

غرضیکہ ہر باب میں آپ نے متعدد احادیث ذکر فرمائیں اور آپ کا عمل ان کے خلاف ہے۔پھر باب النذ ور والایمان میں مذکورہ تمام مرویات آپ کے مسلک کے خلاف ہیں۔حالانکہ آپ خود ان احادیث کو ذکر فرما رہے ہیں اور صحیح قرار دے رہے ہیں لہٰذا آپ بھی اہل الرائے ہوئے۔

۳۔ اگر اہل الرائے ہونے کا یہی معیار ہے کہ وہ مسلک آپ کی مرویات کے موافق نہ ہو تو پھر یہ حکم امام مالک، امام احمد، امام شافعی، امام جعفر، امام عبداللہ بن مبارک، امام سفیان ثوری، امام شعبہ، امام اسحاق سب پر ہونا چاہیے کیونکہ عام طور پر ان حضرات کا مسلک آپ کی مرویات کے موافق نہیں ہے اس کے باوجود صرف امام ابوحنیفہ کے لیے یہ حکم کیوں مختص ہے؟

۴۔ آپ کے معیار کے مطابق فقہ شافعی کے بانی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سب سے بڑے اہل الرائے اور تارک الحدیث، مخالف الحدیث قرار پائیں گے کیونکہ ہر مسئلہ میں ان کے دو مختلف قول ہیں۔بغداد میں فقہی مسلک تھا پھر مصر میں تشریف لے جانے کے بعد ہر مسئلہ میں فقہی مسلک مختلف ہو گیا۔ظاہر ہے کہ مسلمہ محدث ہونے کی حیثیت سے ان کا پہلا

اور دوسرا دونوں مسلک احادیث سے مستنبط ہیں۔ جب پہلا مسلک متروک قرار پایا تو لازم آیا کہ موجودہ شافعی مسلک ان ذخیرہ احادیث کے مخالف ہے جو پہلے مسلک کا مبنیٰ تھا تو اتنے بڑے ذخیرۂ احادیث کے مخالف مسلک والے حضرات کا خود کو موافق حدیث اور امام ابوحنیفہ کو مخالف حدیث یا تارک حدیث قرار دینا باعثِ افسوس ہے۔

لہٰذا لاکھوں احادیث میں سے اپنے مسلک کی تائید کے خیال سے چند ہزار احادیث کو مرتب کر کے یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں امام کا مسلک مطلقاً احادیث کے خلاف ہے یہ بہت بڑی زیادتی اور انصاف کے خلاف ہے۔ اس کے باوجود ردِ عمل کے طور پر ائمہ احناف کا شوافع حضرات کے مقابلہ میں اپنے مسلک کے موافق اور موید احادیث کو کتابی صورت میں مرتب نہ کرنا تعجب خیز ہے۔

پھر اس سے بڑھ کر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شوافع حضرات پر حقیقت واضح کرنے کے لیے معرکۃ الآراء کتاب شرح معانی الآثار مرتب فرمائی لیکن پھر بھی احناف نے صرف معروف صحاح ستہ پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھی اور اپنے درس و تدریس میں شرح معانی الآثار کو وہ مقام نہ دیا جس کی وہ حقدار تھی۔

احناف کے اس استغناء سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شافعی محدثین کے دعویٰ کو قابل اعتناء نہ سمجھا، ورنہ امام طحاوی کی خدمات کو اپنے لیے غنیمت سمجھتے کہ انہوں نے حنفی مسلک کی مؤید احادیث یکجا جمع کر کے نہ صرف کتابی صورت میں پیش کیں بلکہ شافعی حضرات پر حقیقت کو واضح کر کے انہوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کا مؤثر اور مسکت جواب دیا۔ احناف کے اس طرزِ عمل نے سوچنے پر مجبور کیا تو غور و فکر کے بعد جو بات سمجھ آئی وہ یہ ہے کہ فن رجال ایک حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لیے جس کو پیدا فرمایا اس کو اسی کام کی لگن دی ہے۔ لاکھ عوارضات ہوں وہ سب کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی توجہ کو اپنے کام پر مرکوز رکھتا ہے۔ دیگر ائمہ اور ان کے متعلقین سے اللہ

تعالیٰ نے روایت حدیث یا روایت کے ساتھ ساتھ درایتِ حدیث کا کام لیا اورانہوں نے اپنے اس کام کو بامِ عروج تک پہنچایا۔لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اوران کے متعلقین کو اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لیے منتخب فرمایا وہ کام انتہائی دقیق اور بلند ہے جس کے لیے فہم وفراست کی انتہائی گہرائی اور تدقیق کے ساتھ ساتھ فہم کی بلند پرواز بھی ضروری تھی، کیونکہ دقیق ورفیع چیز کو حاصل کرنے کے لیے ادق وارفع جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔چنانچہ احناف کے حصے میں جو کام آیا وہ قرآن وحدیث کے دقیق معانی اورتاویلات کا فہم واستنباط ہے جو مقاصد شرع اور فطرت انسانی دونوں کے مطابق وموافق ہوں تاکہ:

الدین یسر یسروا ولا تعسروا اور

یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر .

کے معیار پر شرائع واحکام کی تدوین ہو سکے۔ یسر کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اصول قطعی اور جامع ہوں کیونکہ شک وانتشار قدم قدم پر مشکلات کا باعث ہوتے ہیں جو اجتماعیت میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ احناف کے وضع کردہ اصول جہاں مقاصد شرع کے مطابق ہیں وہاں وہ فطرتِ انسانی کے بھی قریب ہیں اور جیسے وہ قطعی ہیں ایسے ہی وہ جامع بھی ہیں، اسی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمانوں کی دوتہائی اکثریت حنفی مسلک پر عمل پیرا ہیں بلکہ مالکی، شافعی، حنبلی بھی بعض مسائل میں حنفی مسلک پر عمل کے لیے مجبور ہیں۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث نے تفقہ اوراجتہاد کا جو اعلیٰ معیار بیان فرمایا۔امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد وتفقہ ہی اس معیار کا ہے اب قرآن وحدیث کی روشنی میں معلوم کرنا چاہیے کہ اجتہاد اور تفقہ فی الدین کے مراتب کیا ہیں اور ائمہ میں اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ امام ابوحنیفہ اوران کے متعلقین حدیث کی روایت کی طرف کیونکر متوجہ ہوئے۔ترمذی، ابوداؤد، احمد وغیرہم کی روایت

کردہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

رب حامل فقه ليس بفقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه.

یعنی حامل حدیث اور راوی حدیث وفقیہ نہ ہوگا لیکن جس کو وہ سنا رہا ہے وہ زیادہ فقیہ اور افقہ ہوگا، یہاں افقہ کو حامل اور راوی نہیں فرمایا بلکہ اس تک پہنچ کر روایت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

اقرب مبلغ اوعى له من سامع (اوعى اى افهم واتقن)

یعنی سننے سنانے اور روایت والے جس کو پہنچا رہے ہیں وہ افہم واتقن ہوگا، یہاں بھی جس کو اوعی فرمایا وہ مبلغ ہے یعنی اس کو راوی سے بالا ذکر فرمایا۔ ابونعیم کی روایت ہے:

عن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال رسول الله ﷺ من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين يلهمه رشده.

یعنی بہترین فقیہ وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ اپنا رشد الہام فرمائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نصوص کے الفاظ و معانی کے علاوہ الہامی رشد کا بھی حامل ہو اور صرف روایت کی بجائے الہامی ملکہ سے بھی کام لے۔ امام حسن بصری نے فقیہ کی تعریف میں فرمایا۔ **البصير بامر دينه** یعنی نصوص کے الفاظ و معانی اسی باطنی ادراک اور **ينظر بنور الله** کا مقام بھی عطا کرے جبکہ یہ باطنی ادراک منصب روایت سے وراء ہے۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ اعلیٰ وافضل فقیہ کا منصب روایات نہیں بلکہ روایات کا باطنی ادراک وبصیرت ہے جس کو بروئے کار لاکر اوعیٰ، افقہ اور افہم کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔ ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں امام محی السنہ صاحب المصابیح کا قول معالم التنزیل سے نقل فرمایا: " **لكل آية منها ظهر وبطن** " اور بطن کی تفسیر میں فرمایا "**البطن تاويله و قد يفتح الله على المتدبر والمتفكر من التاويل والمعانى ما لا**

یفتحه علی غیره و فوق کل ذی علم علیم " یعنی نصوص میں تدبر اور تفکر سے وہ معانی اور تاویل حاصل ہوتے ہیں، جو محض روایت سے حاصل نہیں ہوتے امام محی السنہ کے ارشاد سے بھی واضح ہوا ہے کہ نصوص میں تدبر اور تفکر فقیہ کا اعلیٰ منصب ہے جو کہ روایت کا منتہی ومقصود ہے۔ ابوداؤد وابن ماجہ کی روایت ہے:

العلم ثلاثة : آیة محکمة او سنة او قائمة او فریضة عادلة، فریضہ عادلہ میں ملا علی قاری نے تین قول نقل فرمائے۔ **قیل المراد بها الحکم المستنبط من الکتاب والسنة بالقیاس، قیل فریضة معدلة بالکتاب والسنة ای زکاة لهما قیل ما اتفق علیه المسلمون.**

غرضیکہ فریضہ عادلہ، سے مراد استنباط واجتہاد سے حاصل شدہ حکم ہے، تینوں اقوال کے معیار پر وہی مستنبط شدہ حکم ہوگا جو کتاب اللہ اور سنت رسول دونوں سے مطابقت رکھتا ہو، دنوں مؤید ہو اور ایسا ہو کہ اس پر سب مسلمان متفق ہو پائیں یعنی وہ مستنبط شدہ حکم فطری ہو اور قطعی وجامع ہو تاکہ اس پر عمل سب کے لیے آسان ہو سکے۔ اس معیار کو قرآن نے یوں بیان فرمایا:

لعلمه الذین یستنبطونه منهم

یہاں **علم ، یستنبطون** اور **منهم** قابل غور ہیں، قرآن وحدیث کی اصطلاح میں علم کا استعمال قطعی اور یقینی معنی میں ہوتا ہے پھر علم کا تعلق **یستنبطون** کے ذریعہ اس قید **منهم** کی طرف راجع ہے یعنی استنباط کرنے والوں میں سے بعض یقینی ادراک کر لیتے ہیں، سب کو یہ مقام حاصل نہیں، اس شان کے استنباط والے مجتہدین میں کون ہے تو متفق علیہ روایت **لو کان الایمان عند الثریا لنا له رجال من هؤلاء** اور ترمذی کی روایت **لو کان الدین عند الثریا لتناوله رجال من الفرس** جبکہ حلیہ ابونعیم کی روایت میں یوں ہے: **لو کان العلم معلقا بالثریا لتناوله قوم من ابناء فارس** ان

روایات میں ایمان، دین اور علم پھر عند الثریا و معلقا بالثریا اور نال تناول نیز رجال من الفارس و الفرس فرما کر اس کا رتبہ اور بلندی کو حسی بلندی کی طرح بدیہی قرار دیا پھر معلقا کی روایت نے یہ بتا دیا کہ وہ یقینی علم دوسروں کے لیے ثریا کے جھرمٹ میں پھنسا ہوا ہے۔ جس کے حصول سے وہ عاجز ہیں اور نال تناول من رجال الفارس کے الفاظ والی خبر نے اس کے یقنی حصول کو موکد بنا کر فارسی الاصل شخصیت کے لیے مختص کر دیا۔

لہٰذا لعلمه الذین یستنبطونه منهم کے مصداق کو ان روایات نے متعین کر دیا کہ استنباط کرنے والوں میں سے یقینی اور قطعی علم یعنی شارح کی مرادِ اور مقاصد کو پانے والا صرف امام الائمہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ غرض یہ کہ امام ابوحنیفہ کو جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا۔ وہ روایات و احکام نہیں بلکہ نصوص اور مرویات سے قطعی اور جامع ایسے اصول مستنبط کرنا ہے جو انسانی فطرت کے قریب ہوں تا کہ لوگ ان کو تسلیم کریں اور فطری راہنمائی پا کر عمل کر سکیں گے۔ امام ابوحنیفہ کی اس یکتائی کا اعتراف خود ائمہ حدیث اور فقہاء نے فرمایا:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ شریف میں نقل فرمایا کہ ائمہ شافعیہ فرماتے ہیں کہ مذہب "امام اعظم رضی اللہ عنہ" کے مدارک ایسے دقیق ہیں جن کو اکابر اولیاء ہی پہچانتے ہیں۔ اولیاء فرماتے ہیں کہ امام اعظم وابو یوسف سردارانِ اہل کشف ومشاہدہ ہیں۔

استاذ المحدثین امام اعمش، شاگرد حضرت انس رضی اللہ عنہ واستاذ امام اعظم نے امام سے کہا کہ اے گروہ فقہاء تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور اے ابوحنیفہ تم نے دونوں کنارے لیے۔ امام اجل سفیان ثوری نے فرمایا: ابوحنیفہ کا خلاف کرنے والا اس کا محتاج ہے کہ ان سے مرتبہ میں بڑا علم میں زیادہ ہو اور ایسا ہونا دور ہے۔ امام شافعی نے فرمایا۔ تمام جہاں میں کسی کی عقل ابوحنیفہ کی مثل نہیں۔ امام علی بن عاصم نے کہا اگر ابوحنیفہ کی عقل تمام

روئے زمین کے نصف آدمیوں کی عقل سے تولی جائے تو امام ابوحنیفہ کی عقل غالب آئے۔ امام بکر بن حبیش نے کہا اگر ان کی عقل کا تمام اہل زمانہ کی مجموعی عقلوں کے ساتھ وزن کریں تو ایک ابوحنیفہ کی عقل ان تمام ائمہ و اکابر و مجتہدین و محدثین و عارفین سب کی عقل پر غالب آئے۔ امام شافعی نے فرمایا: **الناس عیال ابی حنیفة فی الفقه.**

امام نضر بن شمیل نے فرمایا:

کان الناس ینامًا عن الفقه حتی ایقظهم ابو حنیفه بما فتقه و بینه .

خطیب بغدادی نے کہا عوام کے لیے رفق و رافت ہی ابوحنیفہ کی فقہ ہے۔ امام شعرانی شافعی نے فرمایا، عوام ابوحنیفہ کے وجود پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ انہوں نے ان کے لیے وسیع گنجائش پیدا کی ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا۔ مذہب حنفی کی کتب میں جس طرح مضبوط قواعد و اصول موجود ہیں ایسے ہمارے شافعیوں کے ہاں نہیں ہیں۔

امام ابو یوسف نے فرمایا:

ما خالفته (ابی حنیفة) فی شئ الا رایت الذی ذهب الیه انجی فی الآخرة و ربما کنت حلت الی الحدیث و کان هو البصر بالحدیث و قال ما رایت اعلم بشرح الحدیث من ابی حنیفة رضی الله عنه.

امام ترمذی نے فرمایا:

الفقهاء اعلم لمعانی الحدیث

تو صاف اعتراف ہے کہ

رب حامل فقه لیس بفقیه ، و رب حامل فقه الی من هو افقه منه کما قال ﷺ.

کہ امام ابوحنیفہ ہی افقہ کا مصداق ہیں جہاں تک حدیث کے میدان میں خدمات کا تعلق ہے تو یہاں بھی احناف کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ خود امام ابوحنیفہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو فقہ کی طرح حدیث میں بھی تقدم حاصل ہے اور کوئی بھی محدث امام صاحب کے سلسلہ تلمذ سے خارج نہیں، لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے مقابلہ میں امام اعظم کے تلامذۂ حدیث زیادہ ہیں اگرچہ خالص کتب حدیث روایات کی ترتیب میں کثرت دیگر ائمہ کو حاصل ہے۔ لیکن وسعت فقہ، کثرت کتب فقہ کا فخر احناف کو حاصل ہے اور ظاہر ہے فقہ کی کثرت اور وسعت احادیث کی کثرت کو مستلزم ہے کیونکہ فقہ فرع ہے اور وہ بغیر اصل متحقق نہیں ہوتی لیکن اصل بغیر فرع متحقق ہوتی ہے۔ محدثین معترف ہیں کہ

نحن صیادلة و انتم یا معشر الفقهاء الاطباء

اور فرمایا

الفقهاء اعلم بمعانی الحدیث

تو معانی حدیث بغیر حدیث اور طبیب بغیر صیادلت ممکن نہیں۔

چنانچہ فقہاء احناف نے کتب فقہ میں جزئیات فقہ کو جابجا احادیث سے موید فرمایا ہے، اس کے علاوہ کتب حدیث خصوصاً صحاح ستہ کی شروع اور تعلیقات میں جو مقام احناف نے پیدا فرمایا ہے وہ دوسروں کو حاصل نہیں، باقی رہا حدیث کے ضعف کے وجود زیادہ ہیں تو ضعیف احادیث کی تعداد بھی ان کے ہاں زیادہ ہے جبکہ ضعیف حدیث مفید احکام نہیں لہٰذا ان حضرات کو احکام کے لیے حدیث کی بجائے قیاس کی طرف رجوع کی ضرورت زیادہ ہے۔ مثلاً صرف متصل حدیث ان کے ہاں حجت ہے باقی تمام اقسام ان کے ہاں ضعیف ہیں۔ اس طرح مرفوع کے مقابلہ میں باقی دونوں قسموں کو حجت نہیں مانتے نیز مجمل جرح سے بھی یہ حضرات راوی کو ساقط الاعتبار قرار دے کر اس کی روایت کو ضعیف بناتے ہیں جبکہ احناف کے ہاں ہر قسم کی حدیث قیاس سے مقدم ہے۔ بشرطیکہ قطعی یا مشہور و متواتر نص یا شرعی مسلمہ قاعدہ کے خلاف نہ ہو۔ پھر ان حضرات کے ہاں تو صحیح حدیث بلکہ قرآن پاک کے مجمل میں بھی قیاس کو دخل ہے کیونکہ مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے قاعدہ

نے ان کو مطلق نص خواہ قرآن ہو یا حدیث ہو کو مقید پر قیاس کرنے پر مجبور کیا ہے حتیٰ کہ قرآن کے اطلاق کو بھی حدیث سے مقید کرنے کے لیے قیاس سے کام لینا پڑتا ہے۔ یوں ہی" مامن عام الا ان یخص منه البعض " ان کے اس قاعدہ نے ہر عام قطعی ہو یا ظنی، کو قیاس سے متاثر کرنے پر مجبور کیا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ حضرات اپنے قیاس کے اتنے پکے ہیں کہ اپنے قیاس کے مقابلہ سینکڑوں احادیث کو صحیح کہہ کر متروک العمل قرار دیتے ہیں۔ ان حضرات کے ہاں ایسے بھی مراحل ہیں کہ وہاں عاجز ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ممکن العمل نہیں ہے۔ وہاں احناف کو بتانا پڑتا ہے کہ آپ کا قیاس وقاعدہ ناقص ہے ورنہ حدیث ممکن العمل ہے۔

ان حقائق کے باوجود یہ کہنا کہ احناف اہل الرائے ہیں اور حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح دیتے ہیں، سادگی یا بے خبری کے بغیر کچھ نہیں، احناف کے ہاں یہ عادت نہیں کہ کسی کو جرح کا نشانہ بنایا جائے یا احادیث کو ضعیف کہہ کر متروک قرار دیا جائے بلکہ وہ قیاس کو استعمال ہی وہاں کرتے ہیں جہاں کوئی نص یا حدیث نہ ہو مثلاً حجۃ والی حدیث کے مقابلہ میں احناف نے قیاس وقاعدہ کو ہر طرف رکھ دیا۔

احناف نے امام طحاوی، امام زیلعی، علامہ عینی اور ملا علی قاری رحمہم اللہ تعالیٰ جیسی شخصیات بطور نمونہ دکھائی ہیں جن کا جواب ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ ویسے بھی بکثرت روایات کی اگر اہم فضیلت ہوتی تو حضرات خلفاء اربعہ اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس فضیلت سے خالی نہ ہوتے اور حضرت ابو ہریرہ، عمرو بن عال اور حضرت انس جیسے کثیر الروایات صحابہ کرام رضون اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کم از کم افضل تو نہ ہوتے لیکن ایسا نہیں۔

پھر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سفر وحضر میں معیت زیادہ حاصل رہی اور احادیث کے حفظ وجمع اور کتابت کے مواقع زیادہ پائے۔ اسکے

باوجود انہوں نے احادیث کے حفظ وجمع اور کثرت الروایات کو ترجیح نہ دی بلکہ قرآن وحدیث کے فہم وادراک میں دلچسپی رکھی اور اسی خدمت کو انہوں نے اہم سمجھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بھی روایت وحکایت کے مقابلہ میں فہم مقاصد اورادراک معانی کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا یعنی "منکم اولوا الارحام والنھٰی" اور خلفاءِ اربعہ رضی اللہ عنہم چونکہ اس اہم خصوصیت میں کامل تھے، اسی خصوصیت کی بناء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"علیکم بسنّتی و سنة خلفاء الراشدین المھدیین"

ائمہ مجتہدین میں سے خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اس خصوصیت کو کس نے پایا؟ وہ احناف ہی ہیں جنہوں نے مجرد روایات کے جمع وتدوین پر اہم مقاصد میں مصروفیت کو ترجیح دی اور آج دنیا میں قابل عمل مکمل اور جامع فقہی مسلک اگر موجود ہے تو وہ احناف کی کاوش اور محنت ہے جس کا اعتراف تمام ائمہ مسالک نے فرمایا جیسا کہ گزرا ہے۔

ہندوستان میں حنفی مسلک کی تائید کے لیے خالص احادیث کے مجموعہ کا احساس:

احناف کی فقہی کتب چونکہ فقہی جزئیات کو قرآن، حدیث، اجماع وقیاس ادلہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی دلیل سے مدلل کیا گیا ہے۔ اس لیے اہل علم نے مجرد احادیث کے مجموعہ کی ضرورت محسوس نہ فرمائی اور نہ ہی وہ اس طرف متوجہ ہوئے البتہ بعض اہم فقہی ابحاث کو مدلل کرتے ہوئے بعض حنفی اکابر نے اپنے ذوق کے مطابق علمی انداز میں حسب ضرورت احادیث کے کچھ مجموعے مرتب فرمائے۔ مثلاً ہندوستان میں

حضرت الشاہ الشیخ عبدالحق محدث دہلوی نے گیارہویں صدی ہجری میں حنفی مسلک کی تائید کے لیے احادیث کا پہلا مجموعہ مرتب فرمایا۔ جس کا نام "فتح المنان فی تائید

مذہب النعمان" رکھا۔ اس کی بعد بارہویں صدی ہجری میں علامہ سید مرتضیٰ حسین بلگرامی نے اسی موضوع پر "عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ امام ابوحنیفہ" کے نام ے مجموعہ احادیث مرتب فرمایا۔ تاہم ان مجموعوں کی حیثیت خالص علمی ذوق کے مظہر کی سی رہی ان کو لابدی ضرورت نہ سمجھا گیا۔

برصغیر ہندوستان پر انگریز نے اپنے تسلط کے بعد مسلمانوں میں افتراق وانتشار پیدا کرنے کی غرض سے اپنی سرپرستی میں ایک گروہ کو ائمہ اربعہ کے مقابلہ میں کھڑا کیا جس نے ائمہ اربعہ کی تقلید کو شرک قرار دیتے ہوئے براہِ راست حدیث پر عمل کا دعویٰ شروع کیا، انگریز کے کاشت کردہ اس پودے نے اپنی جہالت کی بناء پر صحاح ستہ کو ہی تمام ذخیرہ احادیث قرار دیا اور احادیث کو صرف صحاح ستہ میں محصور سمجھا اور شور مچایا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی حنفی اکثریت کا مذہب احادیث کے خلاف ہے کیونکہ صحاح ستہ کی احادیث کے موافق نہیں ہے۔ اس موقع پر ہندوستان کے بعض علماء نے عوام کو تردد سے محفوظ رکھنے کے احساس سے حنفی مسلک کی مویدا احادیث کو محدثانہ انداز میں مرتب کرنے کا اقدام فرمایا۔ چنانچہ اس دور کی پہلی کوشش علامہ ظہیر احسن شوق بہاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی، انہوں نے چودہویں صدی ہجری کے ابتداء میں "آثار السنن" کے نام سے فقہی ابواب کی ترتیب پر کتاب کو مرتب کرنا شروع کیا لیکن افسوس کہ ابھی یہ کتاب الحج کے آخری ابواب پر تھی کہ مصنف علیہ الرحمۃ کا ۱۳۲۲ھ میں وصال ہوگیا۔

علامہ پروفیسر مختار الدین آرزو کے بقول اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۳۱۸ھ میں مصنف علیہ الرحمۃ کی حیات میں لکھنؤ اقومی پریس میں طبع ہوا۔ جس کے کل صفحات ۲۱۱ تھے جو علماء احناف کے ہاں نہایت مقبول ہوئی اور پروفیسر صاحب مدظلہ کے بیان کے مطابق ان کے دور میں "یہ کتاب صوبہ بہار کے دینی مدارس کے نصاب میں شامل تھی" جس سے اس کتاب کی اہمیت اور مقبولیت عیاں ہوتی ہے، اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن پاکستان میں

ملتان سے شائع ہوا ہے، جس کا راقم الحروف نے مطالعہ کیا ہے۔ میری نظر میں یہ کتاب صحاح ستہ کا درس دینے والے حنفی مدرس کے لیے طہارت، صلوٰۃ اور جنائز کے اختلافی مسائل میں بے حد مددگار ہے اگر مصنف علیہ الرحمۃ کی مساعی سے یہ کتاب مکمل ہوجاتی تو نہ صرف باقی تمام کتب سے مستغنیٰ کردیتی بلکہ سنن میں اپنا امتیازی مقام حاصل کرلیتی۔

آثار السنن اور اس کے مولف کا مختصر تعارف:

نام، کنیت اور لقب: ظہیر احسن بن سبحان علی صدیقی، ابوالخیر، شوق

ولادت: بروز بدھ، ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۸ھ

وفات: بروز جمعہ، ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

شیخ واستاذ: محدث شہیر مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی و مولانا عبدالحیی لکھنوی انصاری

سن تالیف آثار السنن: ۱۳۱۴ھ

طبع اوّل: قومی پریس لکھنؤ ۱۳۱۸ھ دو اجزاء میں کل صفحات ۳۱۱

طبع ثانی: مع التعلیقات، مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان ۱۴۱۸ھ

1 جلد میں کل صفحات: ۲۵۲

ابتداء: كتاب الطهارة، باب المياه، عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لا يبولنّ احدكم فى الماء الدائم الذى لا يجرى ثم يغتسل فيه.

اختتامِ کتاب: باب زيارة قبر النبى ﷺ، عن ابى الدرداء رضى الله تعالىٰ عنه قال ان بلالا رانى فى منامه رسول الله ﷺ و هو يقول ماهٰذه الجفوة يا بلال اما آن لك ان تزورنى.

احادیث کی کل تعداد: ۱۱۱۴

صفحات کی کل تعداد: ۳۱۱

اس سلسلہ کی دوسری اور تیسری کوشش چودہویں صدی میں ہوئی، اس دور میں مذکورہ موضوع پر حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد عبداللہ بن مولانا سید مظفر حسین حیدرآبادی نے "زجاجۃ المصابیح" اور حضرت ملک العلماء علامہ ظفرالدین بہاری رضوی نے "جامع الرضوی المعروف صحیح البہاری" کے نام سے کتابیں مرتب فرمائیں۔

اوّل الذکر (زجاجۃ المصابیح) کو علامہ ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب حیدر آبادی نے مشکوٰۃ المصابیح کے انداز پر مرتب فرمایا۔ اس کے ابواب اور ان کے عنوانات بالکل مشکوٰۃ کے موافق ہیں لیکن ہر باب میں حنفی مسلک کی موید روایات کو یکجا کر دیا گیا ہے جس میں احادیث، آثار، سنن، فتاویٰ صحابہ کا کثیر ذخیرہ موجود ہے جو حنفی مسلک کے لیے ماخذ کا کام دیتا ہے۔ اس کے ساتھ مصنف علیہ الرحمۃ نے بعض ضروری مقامات پر حواشی کے ذریعہ حدیث کے مقصد کو قرآن اور دیگر روایات سے مؤید فرمایا ہے۔ یہ کتاب پانچ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے جس کا خاکہ حسب ذیل ہے:

جلد اوّل ابتداء کتاب الایمان اختتام باب الاعتکاف کل صفحات ۵۹۰

جلد ثانی ابتداء فضائل القرآن اختتام باب النذور کل صفحات ۶۰۹

جلد ثالث ابتداء کتاب القصاص اختتام کتاب الرؤیا کل صفحات ۴۶۴

جلد رابع ابتداء کتاب الآداب اختتام باب بدأ الخلق وذکر الانبیاء کل صفحات ۴۱۴

جلد خامس ابتداء فضائل سید المرسلین اختتام ثواب ہذہ الامۃ کل صفحات ۴۰۵

"مشکوٰۃ المصابیح" کے مقابلہ میں "زجاجۃ المصابیح" کو بعض خصوصیات نے ممتاز کیا ہے۔

۱۔ بخاری شریف کے انداز پر ہر کتاب کی ابتداء میں متعلقہ قرآنی آیات کو جمع کیا گیا۔

۲۔ مشکوٰۃ المصابیح میں جہاں شافعی مسلک کی رعایت ہے، عنوان قائم کیے گئے ہیں ان مقامات میں یہاں حنفی مسلک کی رعایت سے عنوان قائم کیے گئے ہیں۔

۳۔ مشکوٰۃ میں مسئلہ سے متعلق احادیث کو تین فصلوں پر منتشر کیا گیا ہے، جبکہ یہاں ان احادیث کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

۴۔ کسی مسئلہ میں اگر احناف کے اقوال کا اختلاف ہو تو یہاں مفتیٰ بہ قول کی موید روایات کو فراہم کیا گیا ہے۔

۵۔ اگر موید روایات میں کچھ فنی اعتراض تھا تو حواشی میں اس اعتراض کو رفع کیا گیا ہے۔

۶۔ مشکوٰۃ میں تقریباً ہر باب کو تین فصلوں پر منقسم کیا گیا ہے مگر یہاں فصل کا التزام نہیں کیا گیا۔

۷۔ زجاجہ کو پانچ اجزاء پر منقسم کر کے قاری کے لیے استفادہ میں آسانی پیدا کی گئی ہے اور اس مقصد کے لیے جلد کا سائز بھی متوسط رکھا گیا ہے۔

۸۔ حدیث کی یہ واحد کتاب ہے جو کسی ہندوستانی عالم نے کتب حدیث کے موافق تمام فقہی ابواب پر حنفی مسلک کی تائید میں مرتب فرمائی۔

زجاجۃ المصابیح اور اس کے مولف کا مختصر تعارف:

نام، کنیت اور لقب سید عبداللہ شاہ بن سید مظفر حسین شاہ، ابوالحسنات، محدث حیدرآبادی

وفات: ۱۳۱۴ھ

استاذ: مولانا علامہ مولوی محمد عبدالرحمٰن بن مولانا احمد علی سہارنپوری

سن تالیف: ۱۳۶۸ھ

مقامِ تالیف: حیدرآباد (دکن) طبع اول: ۱۳۷۳ھ، حیدرآباد

طبع ثانی: بمساعی جمیلہ مصنف کے تلمیذ و خلیفہ، مولانا عبدالستار ۱۴۱۱ھ خیریہ کتب خانہ کوئٹہ پاکستان

جامع الرضوی المعروف صحیح البہاری

جلد اوّل ۔ کتاب العقائد

مکرمی پروفیسر علامہ آرزو صاحب کے تعارفی مقالہ میں جلد اول کے تعارفی ذکر اور اس پر ان کا لکھا ہوا حاشیہ اور راقم الحروف کے ناقص فہم پر مبنی تبصرہ کو مرتب کر دیا جائے تو جلد اوّل کا تعارف مکمل ہو جاتا ہے کہ جلد اوّل، عقائد کی مختلف ابحاث پر مشتمل ہے۔ اس کے کل صفحات ۲۶۱ ہیں، ہر صفحہ ۲۱ سطری ہے۔ اس میں تقریباً ۶۰۰ یعنی ۶۵۸ ابواب ہیں۔ فہرست میں باب اوّل "کونہٖ تعالٰی یستحیل علیه الکذب " آخری باب ۶۵۸ کا عنوان "حرمت الزکوٰۃ علی بنی ہاشم" ہے۔ اور احادیث کی تعداد کا تخمینہ تین ہزار کے قریب ہے، یہ مسودہ کی صورت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب سابق صدر شعبہ عربی اور اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ہاں ان کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے یہ مسودہ بخط مولف رحمۃ اللہ علیہ محفوظ ہے۔ جس پر مولف رحمۃ اللہ علیہ نے جلی قلم سے "سنن الرضوی" لکھا ہے۔ اگرچہ مسودہ بادی النظر میں مکمل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بعض وجوہ کی بناء پر اس کو مکمل قرار دینا قرین قیاس نہیں ہے۔

اس مسودہ کی فوٹو کاپی (فوٹو سٹیٹ) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب مدظلہٗ سرپرست اعلیٰ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی نے حضرت پروفیسر علامہ آرزو سے حاصل کی اور اس کی ایک فوٹو کاپی پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ نے راقم الحروف کو دی اور فرمایا۔ صحیح البہاری کی جلد اوّل پر کام نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا رضا فاؤنڈیشن لاہور کے تحت یہ کام مکمل کیا جائے اگرچہ فتاویٰ رضویہ پر بھاری کام اور اس کی اشاعت کا بندوبست بھی رضا فاؤنڈیشن نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ اس کے باوجود صحیح البہاری کی اہمیت کے پیشِ نظر ذمہ داری کو راقم نے قبول کیا۔ چونکہ اس جلد اوّل پر کئی جہات سے کام کی ضرورت

ہے اس لیے ابھی نصف سے زیادہ پر کام باقی ہے۔ متن حدیث کی تصحیح، روایت کرنے والے صحابی کا نام، اصل منقول عنہ کتاب کا نام (ماخذ) کی جہاں ضرورت تھی مکمل کرنے کے بعد تخریج کا کام کیا جارہا ہے۔ پورے مسودہ پر اس کام کے بعد ابواب کی طبعی ترتیب کے لیے تقدیم وتاخیر کا کام کیا جائے گا۔ فتاویٰ رضویہ پر کام میں عجلت کی وجہ سے صحیح البہاری کی جلد اوّل پر کام سست ہے۔ اس کے علاوہ درمیان میں کئی اہم کتب پر کام کو اشاعت تک پہنچایا جاتا ہے۔ جبکہ اس وقت "الدولۃ المکیۃ" بمع حواشی اس کی تخریج کا کام زیر تکمیل ہے۔ اور ساتھ "مالی الجیب" جس کا "الدولۃ المکیہ" کے ساتھ گہرا تعلق ہے کو بھی زیر عمل رکھا گیا ہے، تاکہ ساتھ ساتھ اس کی تخریج بھی مکمل ہو جائے صرف تخریج وتحقیق کا کام ہوتا تو کچھ آسانی ہوتی مگر رضا فاؤنڈیشن کو ہی اشاعت کا کام بھی کرنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے وقت زیادہ صرف ہوتا ہے۔ اس کے باوجود الحمد للہ دس سال میں فتاویٰ رضویہ کی بیس جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ جبکہ اکیسویں جلد زیر کتابت ہے۔ اس دوران کئی کتب ورسائل پر کام مکمل ہوا اور وہ شائع بھی کی گئیں۔

صحیح البہاری جلد دوم (طہارۃ وصلوٰۃ) کا پہلا ایڈیشن

حضرت علامہ پروفیسر آرزو صاحب نے جلد دوم کے پہلے ایڈیشن کے متعلق تفصیل کو یوں بیان فرمایا:

"صحیح البہاری کی جلد دوم جو طہارت اور صلوٰۃ کی احادیث پر مشتمل ہے۔ آسانی کے لیے چار حصوں میں شائع کی گئی۔ پہلا حصہ یعنی "کتاب الطہارۃ" ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۲/۲۳۴ احادیث درج ہیں۔ یہ حصہ شیخ غفور بخش کے ابو العلائی الیکٹرک پریس آگرہ سے چھپا بقیہ تین حصے جو کتاب پر مشتمل ہیں، سید منظر علی رضوی کے برقی پریس سبزی باغ پٹنہ سے ۱۹۳۲ء میں چھپنے شروع ہوئے اور ۱۹۳۷ء میں اختتام پذیر ہوئے۔ جلد

دوم کا دوسرا حصہ ۲۸۸ صفحات پر مکمل ہوا۔ اس میں ۳۰۶۸ حدیثیں ہیں، تیسرے حصہ کے صفحات ۲۱۶ ہیں اور حدیثوں کی تعداد ۲/۱۳۶ ہے۔ چوتھے حصہ کے صفحات کی تعداد ۲۳۹ ہے۔ یہ ۱۸۴۹ احادیث پر مشتمل ہے۔ مکمل (جلد دوم) کے صفحات ۹۶۰ ہیں اور احادیث کی مجموعی تعداد ۹/۲۸۷ تک جا پہنچتی ہے۔ مختصر لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ صحیح البہاری کی مطبوعہ جلد دوم تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور احادیث کی تعداد دس ہزار ہے۔

وضاحت:

پہلے حصہ کتاب الطہارۃ کے ۲۰۰ صفحات میں سے پہلے ۲۶ صفحات خطبہ اور مقدمہ پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا کتاب الطہارۃ کی احادیث کے صفحات کی تعداد ۹۴؛ اور جلد دوم کے مجموعی صفحات کی تعداد ۹۳۴ ہوئی جس کو آسان لفظوں میں تقریباً ایک ہزار کہہ سکتے ہیں۔ اس وضاحت کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ خطبہ اور مقدمہ کا تعلق صرف جلد دوم یا اس کی کتاب الطہارۃ سے نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق جملہ کتاب صحیح البہاری سے ہے۔ صحیح البہاری جلد دوم کے حصہ اول کتب الطہارات کی ابتداء، کتاب الوضو، باب فوائد الوضو، حدیث

عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال قال رسول الله ﷺ لا يقبل صلٰوة بغير طهور ولا صدقة من غلول . رواه مسلم والترمذی الخ.

اور اختتام

باب استعمال المدر بعد البول ، حديث : عن امير المؤمنين عمر بن خطاب رضی اللّٰہ عنه انه كان يبول لم يمسح ذكره بحجر لم يمسه الماء. رواه عبدالرزاق

اور اس کے اختتامی الفاظ یہ ہیں۔

هذا آخر ما اردنا ايراده و تبويبه و جمعه و ترتبه من الاحاديث

فی کتب الطھارۃ بعدہ درود شریف.

حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ کی ابتداء:

باب الفریضۃ الصلوٰۃ . آیۂ کریمہ:قال اللّٰہ تعالٰی : اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین.

اور اختتام:

باب الرعاف فی الصلوٰۃ ، حدیث : عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما قال من رعف فی الصلوٰۃ فلینصرف فلیتوضا فان لم یتکلم بنی علی الصٰوتہ و ان تکلم استانف. رواہ ابن شیبہ

اس کے اختتامی الفاظ یہ ہیں:

ھٰذا آخر ما اردنا جمعہ فی الحصۃ الثانیۃ للمجلد الثانی من جامع الرضوی المعروف بصحیح البھاری . بعدہ درود شریف

حصہ سوم کتاب الصلوٰۃ المکتوبۃ کی ابتداء:

باب الصلوٰۃ الخمس. حدیث : عن ابن الصامت رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ خمس صلوات کتبھن اللّٰہ تعالٰی علی العباد الخ. رواہ الامام مالک الخ

اور اختتام

باب قراۃ المعوذتین فی فجر السفر

حدیث: عن عقبۃ بن عامر رضی اللّٰہ عنہ قال سالت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من المعوذتین امن القران ھما قامنا رسول اللّٰہ ﷺ فی صلوۃ الفجر بھما، رواہ الحاکم فی المستدرک

اس کے آخر میں اختتامی الفاظ یہ ہیں:

هذا آخر ما اورنا جمعه فی الحصة الثالثة للمجلدالثانی من جامع الرضوی المعروف بصحیح البهاری بعده درود شریف.

حصہ چہارم کتاب الجنائز کی ابتداء:

باب المرض وثوابه

حدیث: عن ابی سعید رضی الله عنه، عن النبی ﷺ قال ما یصیب المسلم من نصب ولاوصب ولاهم ولا حزن ولا اذی ولا غم حتی الشوکة یشاکها الله الا کفر الله بها من خطایا. رواه البخاری ومسلم.

اوراختتام

باب الصلوٰة والسلام عند قبر رسول اللّٰه ﷺ

حدیث: عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه انه اذا قدم من سفر اتیٰ قبر النبی ﷺ فقال السلام علیک یا رسول اللّٰه، السلام علیک یا ابابکر، السلام علیک یا ابتاه، رواه عبدالرزاق فی مصنفه باسناده صحیح.

اس کے آخر میں درود شریف کے بعد التجا اور دعا ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ نے جلد دوم کے حصہ اوّل) کتاب الطہارات) میں کتاب الغسل اور کتاب التیمم کو اور حصہ دوم (کتب الصلوٰۃ) میں کتاب صفۃ الصلوٰۃ اور کتاب الجماعۃ والامامۃ کو، حصہ سوم کتاب الصلوٰۃ المکتوبۃ میں، کتاب الصلوٰۃ المستحبہ کو حمد وصلوٰۃ سے شروع کیا ہے اور حصہ سوم کے آخر میں درود شریف کے بعد ۲۵ صفر ۱۳۵۶ھ کی تاریخ درج ہے۔

صحیح البہاری جلد دوم کا دوسرا ایڈیشن

حضرت پروفیسر علامہ آرزو صاحب نے اپنے تعارفی مقالہ کے آخر میں صحیح البہاری کے دوسرے ایڈیشن کے متعلق لکھا ہے۔" صحیح البہاری آج سے نصف صدی پہلے شائع ہوئی تھی اس کے نسخے کمیاب ہی نہیں اب نایاب ہو گئے تھے، دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی عرصے سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی لیکن "کل امر مرھون باوقاتہ" احادیث نبویہ کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی سعادت یعنی "بلغوا عنی ولو آیۃ" والے ارشادِ گرامی کی تعمیل پاکستان کے عزیز کرم فرما حضرات کے لیے مقدر ہو چکی تھی۔ جن کی توجہ اور عنایت سے یہ کتاب دوبارہ شائع ہو کر منظر عام پر آرہی ہے۔ خدا انہیں جزائے خیر دے اور توانا اور تندرست رکھے کہ وہ بدستور دینی اور علمی خدمات انجام دیتے رہیں۔

اس مقالہ کے اختتام پر پروفیسر صاحب کے نام، مختار الدین احمد سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ساتھ تاریخ یکم رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ/ ۷ مارچ ۱۹۹۲ء لکھی ہے اور پتہ یہ درج ہے ناظمہ منزل ۴/ ۲۸۶ امیر نشان روڈ علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۲ (ہندوستان) اس صفحہ کے آخر پر حاشیہ میں پروفیسر صاحب نے اشاعت میں حصہ لینے والے حضرات کا نام اور اشاعت پر کل خرچہ کا ذکر کیا ہے۔

دوسرے ایڈیشن، کتاب کے ٹائٹل والے ورق کے دوسرے خالی صفحہ کے آخر میں پریس کا نام خواجہ پرنٹنگ پریس کھوکھر محلہ حیدر آباد چھپا ہے۔

دوسرے ایڈیشن کے تعارف کے لیے پروفیسر صاحب کی یہ تحریر، پتہ اور تاریخ اور پھر پریس کے نام اور پتہ سے واضح ہو گیا ہے کہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۹۹۲ء میں خواجہ پرنٹنگ پریس حیدر آباد سندھ پاکستان سے شائع ہوا۔

اس موقعہ پر بعض حضرات کی درخواست پر جناب پروفیسر آرزو صاحب خلف

الرشید حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یکم رمضان ۱۴۱۲ھ مطابق ۷ مارچ ۱۹۹۲ء کو مصنف اور مصنفہ کا تعارفی مقالہ قلم بند فرمایا۔ یہ ۳۴ صفحات پر مشتمل مقالہ دوسرے ایڈیشن کتاب کے شروع میں شامل اشاعت ہے۔ اس مقالہ کا عنوان ، حیات و تصانیف ملک العلماء حضرت علامہ مولانا ظفرالدین بہاری ہے۔ حضرت پروفیسر مختارالدین احمد آرزو صاحب نے عنوان کے مطابق مصنف کے شخصی، نجی اور قومی ، دینی، ملی اور ملکی خدمات کے ساتھ زندگی بھر درس و تدریس ، تصنیف و تالیف اور اشاعت کے مشاغل کو نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ مختصر مگر جامع انداز میں بیان فرمایا اور آخر میں مصنف علیہ الرحمۃ کی تالیفات کا تفصیلی تعارف بھی دیا ہے۔ یہ مقالہ کیا ہے کوزے میں دریا نہیں ،سمندر بند ہے۔ جزاہم اللہ خیراً۔

وضاحت:

صحیح البہاری شریف جلد ثانی کے مطبوعہ چار حصے دو جلدوں کے یہاں پاکستان میں بعض علماء کے پاس موجود تھے،اس علمی خزانہ سے مستفید ہونے والے حضرات نے اس مجموعہ کو عجوبۂ روزگار قرار دیا اور اس کی دوبارہ اشاعت کو نہ صرف علمی خدمات بلکہ تدریس حدیث وفقہ میں مصروف علماء احناف کے لیے سرمایۂ تدریس قرار دیا۔ حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب سرپرست اعلیٰ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی نے اس کی اشاعت کے لیے بعض مخلصین کو متوجہ کیا۔ جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کی تحریک پر سرمایہ فراہم کیا چونکہ کتاب کی اشاعت پر خرچہ میں زیادہ تر حصہ حیدرآباد سندھ کے احباب نے فراہم کرنے پر آمادگی ظاہر کی ،اس لیے اشاعت کا مکمل انتظام ان کے سپرد کیا گیا۔ لہٰذا کتاب کراچی کے بجائے حیدرآباد سے طبع وتقسیم ہوئی۔ اشاعت کے خرچہ کے پیش نظر اس دوسرے ایڈیشن میں تین تصرف کیے گئے۔

نمبرا:

صحیح البہاری شریف کی جلد ثانی کے چاروں حصوں کو متفرق یا دو مجلدات کی بجائے ایک جلد میں جمع کردیا گیا۔

نمبر۲:

پہلے ایڈیشن میں صفحات کے بڑے سائز کو قدرے کم کردیا گیا۔

نمبر۳:

نئی کتابت کی بجائے پہلے ایڈیشن سے ہی فوٹو کاپیاں تیار کی گئیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے ایڈیشن اور دوسرے ایڈیشن کے صفحات نمبر مطابق ہیں۔ اگرچہ دوسرے ایڈیشن میں وہ حسن اہتمام نہ ہوسکا جو پہلے پروقار ایڈیشن میں ہوا۔ تاہم ایک نایاب علمی خزانہ اہل علم کے ہاتھ آ گیا ہے۔

الحمد للّٰہ علی ذالک وجزی اللّٰہ تعالٰی من سعٰی فی ذالک.

جامع الرضوی المعروف صحیح البہاری کا مجموعی تعارف

یہ کتاب سنن کے انداز پر مرتب کی گئی ہے جس کی کل چھ جلدیں مصنف علیہ الرحمۃ کے پیش نظر تھیں۔ جن کی تفصیل مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقدمہ میں ذکر فرمائی، جن میں سے پہلی جلد کتاب العقائد (الایمان) کا مسودہ زیر تکمیل صورت میں موجود ہے۔ جس میں مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے شیخ واستاذ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالٰی کی مختلف تصانیف سے اخذ کردہ احادیث کو ابواب پر مرتب فرمایا۔ جبکہ راقم کی نظر میں بھی یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچنے کا منتظر ہے۔

کتاب کی دوسری جلد کتاب الطہارۃ وکتاب الصلوٰۃ سے متعلق احادیث کا مجموعہ

ہےاور ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔اشاعت میں آسانی کے خاطر خواہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اسے چار حصوں میں منقسم فرما کر سپردِ اشاعت کیا۔ یہ چاروں حصے مختلف اوقات میں آگرہ اور پٹنہ سے شائع ہوئے۔ ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۷ء ان کی پہلی اشاعت مکمل ہوئی۔ چونکہ جلد دوم نے اشاعت میں پہل حاصل کی۔اس لیے صحیح البہاری کتاب کا خطبہ اور مقدمہ پہلے شائع ہونے والی جلد کی ابتداء میں شامل اشاعت کیا گیا تاکہ شائع ہونے والا کتاب کا یہ جز ربط و معرفت کے ساتھ پڑھا جائے اور قاری کو آئینہ کا کام دے۔ پھر ۱۹۹۲ء میں جلد دوم کے چاروں حصے دوبارہ یکجا ایک ہی جلد میں حیدر آباد سندھ سے شائع ہوئے۔اس دوسرے ایڈیشن میں حضرت پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو کا تعارفی مقالہ بھی کتاب کی ابتداء میں شامل اشاعت کیا گیا ہے۔

یہ کتاب فنِ حدیث کی کتب میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔خصوصاً فقہ حنفی کیا احادیث کے مجموعات میں خصوصیت کی حامل ہے۔خصوصیات و امتیازات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بنیادی طور پر یہ کتاب فنی اصطلاح کے اعتبار سے سنن میں شمار ہے۔جن میں فقہی ابواب کی ترتیب وار احادیث کو مرتب کیا جاتا ہے جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے مقدمہ میں کتاب کے مشمولات کو ذکر کر کے ظاہر فرمایا۔جبکہ صحیح البہاری باقی تمام سنن کے مقابلہ میں سب سے جامع ہے کیونکہ اس میں نہ صرف سنن بلکہ جوامع،مسانید،معاجم اور ان کے مستدرکات و مستخرجات سمیت حتیٰ کہ اجزاء،امالی اور اطراف تک تمام کے منفردات کو شامل ہے جس کا اندازہ اس کتاب کے ابواب اور ان کی مشمولہ احادیث سے کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ دیگر سنن کے مقابلہ میں اس کتاب کا دائرہ سب سے وسیع ہے۔مثلاً سنن اربعہ میں عنوانات باب میں سنن نسائی سب سے وسیع ہے اگرچہ باب کی احادیث کے متابعات و شواہد میں سنن ترمذی میں فی الباب عن فلاں وفلاں کہہ کر احادیث کی کثرت کو اشارۃً بیان

کیا گیا ہے۔ مگر صحیح البہاری کے ابواب اور ان کی مشمولہ احادیث کی تعداد مذکورہ دونوں سنن کے ابواب اور مشمولہ احادیث کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہیں۔ مثلاً نسائی کتاب الطہارۃ کے کل ابواب ۱۹۹ ہیں اور ان کے تحت احادیث کی تعداد تقریباً ۵۰۰۰ ہے۔ اور ترمذی کی کتاب الطہارت کے تحت ۱۰۹ اباب ہیں جن کے تحت احادیث کی تعداد بمع شواہد ۶۰۰ سے زائد نہیں جبکہ صحیح البہاری کے طہارت کے کل ابواب کی تعداد ۳۶۲ ہے اور ان کے تحت احادیث کی مجموعی تعداد ۲۲۰۰ سے رائد ہے۔ یوں ہی نسائی اور ترمذی کے کتاب الجنائز کے ابواب اور ان کی احادیث کی مجموعی تعداد سے "صحیح البہاری" کے کتاب الجنائز کے ابواب و احادیث کی تعداد زیادہ ہے کیونکہ "نسائی" میں جنائز کے ابواب ۱۲۱ ہیں اور ان کی احادیث ۴۰۰ کے قریب ہیں اور ترمذی کے جنائز کے ابواب کی تعداد ۷۶ اور احادیث کی تعداد ۳۰۰ کا اندازہ ہے تو دونوں کے مجموعی ابواب ۱۹۷ اور احادیث اندازاً دو ہزار ہیں۔
کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ مصنفات اور کنوز کی احادیث کی کل تعدادِ زیادہ ہوتی ہے اگر یہ تسلیم کیا جائے تو بھی ابواب کی تعداد میں صحیح البہاری کو امتیازی حیثیت حاصل رہے گی۔ وللہ الحمد

۳۔ حنفی مسلک کی مؤید احایث کے سلسلہ میں، حضرت محمد بن علی النیموی متوفی ۱۳۲۲ھ کی تالیف "آثار السنن" جو صحیح البہاری کی مطبوعہ جلد دوم کی طرح باب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اختتام پذیر ہے اور تقریباً اسی دور کی تصنیف ہے۔ اس کی کتاب الطہارۃ کے ابواب کی تعداد ۴۹ ہے اور احادیث کی تعداد ٦٦ ہے جبکہ اسی موضوع اور اسی دور کی دوسری تالیف "زجاجۃ المصابیح" مصنفہ سید عبداللہ بن مظفر حسین حیدر آبادی جو "مشکوٰۃ المصابیح" کے انداز پر حنفی مشکوٰۃ کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے اور یہ واحد کامل کتاب ہے جو فن حدیث کے طور پر تمام ابواب فقہ سے متعلقہ حنفی مسلک کی مؤید احادیث کا مجموعہ اور پانچ جلدوں میں مطبوعہ ہے۔ اس کی کتاب الطہارت ۱۱۴ ابواب اور ۴۷۷ احادیث پر اور کتاب الجنائز ۱۸ ابواب اور ۱۷۱ احادیث پر مشتمل ہے۔ جبکہ صحیح البہاری کی کتب صلوٰۃ ۷

عدد اور ابواب صیغہ جمع کے عنوانات ۱۴۱۔ اور ان کے تحت مفرد ابواب کی تعداد ۱۴۸۸ اور احادیث کی تعداد تقریباً سات ہزار ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ "صحیح البہاری" اپنے ابواب اور احادیث کے عدد کے اعتبار سے تمام سنن پر فائق ہے۔

۴۔ حدیث سے استنباط اور استخراج کردہ مسئلہ کو ترجمۃ الباب قرار دیا جا سکتا ہے لہٰذا جس کتاب کے تراجم کثیر ہوں گے۔ اس میں مستنبط شدہ مسائل کا ذخیرہ بھی زیادہ ہوگا۔ اس طرح یہ کثرت ابواب مصنف کی قوتِ استنباط واستخراج مسائل اور اس کی وسعت پر بھی دال ہوگی۔ تو صحیح البہاری جہاں دیگر سنن کی نسبت اپنے موضوع میں اتم واکثر ہے وہاں اس کے مصنف بھی دیگر اصحاب سنن کی نسبت تفقہ واستنباط میں اکمل ہیں۔ کیونکہ فقہ ادلہ سے مسائل جزئیہ کے استنباط واستخراج کا نام ہے۔ تو جب تراجم کی کثرت احادیث اور استنباط کی کثرت پر دال ہے تو لازم ہے مستنبط ومترجم اسی نسبت سے افقہ ہوگا جس نسبت سے اس کا استنباط واستخراج اکثر ہوگا تو ثابت ہوا کہ صاحب صحیح البہاری نہ صرف ملکہ استنباط میں وسیع وکثیر ہیں بلکہ ذخیرہ احادیث میں بھی وسیع النظر ہیں تو علامہ محدث بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کر دیا ہے کہ حنفی فقہ میں جزئیات کی اکثریت ائمہ احناف کے ہاں ذخیرہ احادیث پر دلیل ہے جبکہ ان کی تصنیف کا ایک مقصد یہ دلیل قائم کرنا بھی تھا۔ **سیعہ مشکور ولا تمام من اللہ**

۵۔ عام کتب حدیث میں "کتاب" اس کے تحت ابواب مفردہ میں سے ہر ایک باب کے تحت متعلقہ احادیث کو ذکر کیا گیا ہے جبکہ بعض مثلاً مشکوٰۃ المصابیح شریف میں باب کی جگہ فصل ذکر کی گئی مگر صاحب صحیح البہاری نے اپنی اس کتاب میں مرکزی عنوان "کتب" بصیغہ جمع کا ذکر فرمایا پھر اس کو متعدد کتب پر تقسیم فرمایا اور ہر کتاب کو "ابواب بصیغہ جمع" پر تقسیم کیا پھر اس کے تحت مفرد باب اور پھر باب کے تحت متعلقہ احادیث کو ذکر کیا مثلاً کتاب الطہارات اور اس کے تحت کتاب الوضوء وکتاب کذا وکذا ہکذا

عنوان قائم کیے اور پھر ہر کتاب مثلاً کتاب الوضو کے تحت ابواب فرائض الوضو، ابواب کذا وکذا ہٰکذا گیارہ عنوان اور پھر مثلاً ابواب فرائض الوضو کے تحت باب کذا، باب کذا ذکر کر کے ہر باب کے تحت مثلاً باب مسح الراس کے تحت متعدد احادیث کو ذکر فرمایا۔ اس کاوش کی وجہ وہی حدیث وفقہ کی تقریب ہے۔ چونکہ فقہ حنفی کی خصوصیت کثرت جزئیات ہے جن کی تفصیل کے پیش نظر مؤید احادیث کی تفصیل بھی ضروری تھی۔ اس لیے مصنف علیہ الرحمۃ کو کتاب کے عنوانات میں تفصیل تقسیم کرنا پڑی۔

۶۔ باب المسواک کے تحت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ فصلیں ذکر فرمائیں جبکہ یہ انداز باقی تمام کتب سے مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مسواک سے متعلق تمام احادیث فضیلت سے متعلق ہیں۔ اس لیے یہاں ابحاث کو ابواب کی نوعیت کی بجائے فصلوں پر تقسیم فرمایا۔

۷۔ صحیح البہاری میں مصنف علیہ الرحمۃ نے فقہی جزئیات کی طرح تراجم میں، من لی، ما این، متٰی، کم اور کیف وکذا یوں ہی احکام سبعہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح، حرام اور مکروہ کو انواع اور احکام کے طور پر سمونے کی سعی بلیغ فرمائی ہے تاکہ حتی الامکان حدیث وفقہ کی تقریب ہو سکے۔ یہ عمل مصنف علیہ الرحمۃ کے فقیہ النفس ہونے کی دلیل ہے۔

۷۔ کتاب کے تراجم میں:

مسواک الزیتون ولا راک، ارسال الماء من فوق الوجه. مراعاة ادلة المواقيت ، الشفق هو البياض، كون الاذان خارج المسجد، كسر اصابع الرجلين فى السجود، ضم اعضاء للنساء، جعل الاصابع الى القبلة فى السجدة، لم سمى صلٰوة ليالى و رمضان بالتراويح .

جیسے ابواب قائم کر کے کتاب میں ندرت پیدا کر کے اس کا ترجمان حنفیت و رضویت

ہونا ظاہر فرمایا۔

۸۔ پھر تراجم میں ایک مسئلہ کے احکام کی تفصیلات کو بھی پیش نظر رکھنا اس کتاب کو کتب حدیث سے ممتاز کرتا ہے مثلاً طھارۃ البیئر کوانسان، سفور، دجاجہ، فارہ، منفسخہ اور غیر منفسخہ پر اور امامت کو خیار، اسن، احسن وجھا، والی، امام الحی، صاحب المیت کے اقسام پر تراجم قائم کرکے مصنف علیہ الرحمۃ نے حنفی مسلک کو ترجمان الحدیث ثابت کیا۔

۹۔ صحیح البہاری میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اور ابواب کے تحت ابتداء میں متعلقہ عمل کے فوائد اور فضائل کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ باب ذکر کیے۔ مثلاً کتاب الوضو کے تحت ایک باب بعنوان فوائد الوضو پھر دوسرا باب فضائل الوضو کے عنوان سے قائم فرمایا۔ ھٰذا تقریباً ہر کتاب کے تحت یہ دو عنوان قائم فرمائے۔ غالباً انہوں نے دنیاوی حسی ثمرات کو فضائل سے تعبیر فرما کر دونوں کا فرق ظاہر فرمایا جبکہ یہ دقیق فرق عام کتب میں ملحوظ نہ رکھتے ہوئے صرف فضائل کا باب بیان کیا گیا ہے۔

۱۰۔ صحیح البہاری کے خطبہ میں حدیث کے انواع واقسام، کتب واصطلاحات کو حمد وصلوٰت اور نعت کے طور پر استعمال فرما کر مصنف علیہ الرحمۃ نے نہ صرف فن حدیث بلکہ ادب عربی میں بھی اپنی خداداد صلاحیت کا مظاہرہ فرمایا جس کا ادراک رکھنے والا ہر شخص یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نہ صرف ملک العلماء ہیں بلکہ ملک الفنون بھی ہیں۔

۱۱۔ کتاب کی ابتداء میں محدث بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک جامع مقدمہ پیش کیا، جو فن حدیث کو مختلف جہات سے محیط ہے جس کا مطالعہ فن حدیث میں بصیرت کے لیے ضروری ہے۔ بلکہ یہ مسلک اہلسنت کے متعلق فرق باطلہ کی تمام تشکیکات واغلوطات کے جوابات کے لیے ضروری ہے جو سینکڑوں کتب کے مطالعہ کا حاصل ہے۔ مقدمہ کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث سے متعلق ۳۲ فوائد کے عنوان سے مرتب فرمایا ہے۔

۱۲۔ اس کے مقدمہ کے متعلق پروفیسر علامہ مختار الدین آرزو صاحب نے اپنے تعارفی مقالہ میں جو تحریر فرمایا ہے:

"مقدمہ جو ۲۵ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ہر طرح قابل قدر ہے، اس میں اصولِ حدیث کے فوائد ۳۲ فصلوں میں لکھے گئے ہیں جن میں نہایت قیمتی معلومات درج ہیں۔ جن کا جاننا حدیث شریف کے مطالعہ کرنیوالوں کے لیے بے حد ضروری ہے۔ مقدمہ تحریر کرتے وقت مولف علام کے پیش نظر بہت سی کتب تھیں لیکن سب سے زیادہ استفادہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کے ان منفردات سے کیا ہے جنہیں برسوں پہلے انہوں نے بڑی توجہ وانہماک سے جمع کر کے "الافادات الرضویہ" کے نام سے مرتب فرمایا، خود مصنف علیہ الرحمۃ نے اس مقدمہ کو یوں متعارف کروایا:

" و لنقدم قبل الشروع فی المقصود مقدمة یشتمل فوائد التقنها من تصانیف العلماء لا سیما سیدی و ملاذی ، شیخی و استاذی شیخ الاسلام و المسلمین، وارث علوم سید المرسلین، موید الملة الطاهرة ، مجدد المائة حاضرة، مولانا الشاه احمد رضا خان القادری البرکاتی البریلوی ، نفعنا اللّٰہ تعالیٰ ببرکاته فی الدنیا والآخرة۔"

جہاں پروفیسر صاحب نے جہاں مقدمہ کو "قیمتی معلومات ، بے حد ضروری، حدیث دانی کے لے لیے لابدی قرار دیا" وہاں پر جس طرح خود مصنف علیہ الرحمۃ نے ان فوائد کا ماخذ خصوصیت سے اپنے پیر ومرشد واستاذ شیخ الاسلام مجدد ملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب کو قرادیا ہے۔ اسی طرح پروفیسر صاحب نے اپنے والدِ گرامی کی اس علمی تحقیقی اہم خدمت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ان فوائد کو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے خصوصی فیوض وبرکات قرار دیا۔ اس نسبت سے عظمت حاصل کرنے پر باپ اور

بیٹے دونوں کی اعظمیت کو سلام ......

نہ خود مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی عظمت وفخر کے خلاف سمجھا اور نہ ہی تو بیٹے نے بڑائی کا اظہار کرنے کے لیے اس کو اپنے عظیم المرتبت باپ کی عظمت کے خلاف محسوس کیا، عظمت فہمی کا یہ عروف انہی خوش نصیبوں کا حصہ ہے جنہوں نے اپنے تمام تر کمالات کو اپنے اسلاف واکابر کے دامن سے وابستہ کرر کھا ہے۔

محدث بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ واستاذ، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فن حدیث سے متعلق بیش بہا خزانہ، افادات اپنی مختلف کتب مثلاً **الفضل المرتضٰی، حاجز البحرین، مدارج طبقات الحدیث، الها والکاف فی حکم الضعاف** وغیرہ میں بیان فرمایا۔ لیکن فاضل بہاری نے اپنے شیخ واستاذ کے جن افادات کو بعنوان "فوائد" ذکر فرمایا ان کو اعلیٰ حضرت نے "تقبیل الابہامین" میں بیان فرمایا، جن کی تعداد وہاں تیس ہے۔ لیکن مصنف صحیح البہاری نے اپنے مقدمہ میں ان کی تعداد ۳۲ بتائی ہے۔ تقبیل الابہامین کے اٹھائیسویں افادہ کے ضمن میں اسلاف واکابر کی عبارت نقل کرنے کے بعد "تحقیق المقام" کے عنوان سے فرمایا کہ عمل بموضوع اور عمل بمافی الموضوع میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور پھر تقبیل الابہامین کی ابحاث کے خاتمہ کے تحت بارہ فوائد ذکر فرمائے۔ ان میں سے فائدہ نمبر ۳ کا عنوان نفرد کذاب بھی مستلزم موضوعیت نہیں ہے۔ تو اٹھائیسویں افادہ کے تحقیق المقام اور خاتمہ کے فائدہ نمبر ۳ کو شامل کر کے فاضل بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البہاری کے مقدمہ کے فوائد کی تعداد ۳۲ بنائی ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ نے تقبیل الابہامین کے تمام افادات اردو میں ذکر فرما کر ان کو اسلاف واکابر کی عبارات سے مؤید فرمایا۔ حضرت فاضل بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ واستاذ کے افادات کی تقریب فرما کر ان کو جامع الرضوی (سنن الرضوی) المعروف صحیح البہاری کی ابتداء میں بطور مقدمہ شامل فرمایا۔

جزاهم الله عنا و عن سائر العلماء والمسلمين.

چونکہ یہ مقدمہ نادر خزانہ علم شیخ واستاذ کی بے شمار کتب میں سے صرف ایک سے اخذ کردہ ہے اس لیے مصنف علام فاضل محدث بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

هذا نهر اصغر من البحر الاكبر من بحار علوم سيدى وشيخى نفعنا اللّٰه تعالٰى ببركاته فى الدنيا والآخرة آخر دعوانا ان الحمد للّٰه ربّ العالمين . والصلٰوة على رسوله رحمة للعالمين و آله واصحابه اجعمين و بوسيلتهم سائر الائمة المهديين خصوصًا على امام الائمه امامنا ابى حنيفة و سائر متبيعه لا سيما مجدد الملة الامام احمد رضا القادرى البريلوى و تلامذته جزاهم اللّٰه تعالٰى عنا و عن المسلمين خير جزاء ة شكر مساعيهم الجميلة فى خدمة الحديث وسائر العلوم شكرا جميلا.

☆......☆......☆......☆